بائیسواں باب

22

حضرت عیسیٰؑ کی غیر معروف زندگی

ایک حیران کن امر یہ ہے کہ اناجیل حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور چند متعلقہ واقعات کا ذکر کرنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے دس برسوں کا کوئی ذکر نہیں کرتیں۔ اور صرف حضرت عیسیٰؑ کی اپنے ماں باپ کے ساتھ یروشلم سے ہیکل میں آنے کا تذکرہ کرتی ہیں۔ اُس وقت بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی عمر بارہ برس تھی۔ اِس کے بعد اناجیل ان کو تیس برس کی عمر میں دکھاتی ہیں۔ اور درمیان کے اٹھارہ برسوں کا کوئی ذکر نہیں کرتیں۔ اناجیل حضرت عیسیٰؑ کی نوجوانی کا حال بیان نہیں کرتیں، اُن کی عادات کا ذکر نہیں کرتیں اور اُن کے پیشے کا کوئی بھی تذکرہ نہیں کرتیں۔ اِن برسوں کا ذکر صرف لوقا کی انجیل کرتی ہے۔

> ''اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا۔'' (لوقا ۱:۸۰)

''جنگلوں میں رہا'' ایسے الفاظ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نہ تو اپنے علاقہ میں تھے اور نہ ہی یہودیہ میں تھے۔ اِس کے بعد لوقا یروشلم میں ان کی آمد کا ذکر کرتا ہے اور یوحنا سے اُن کے بپتسمے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''اور یسوع حکمت اور قد وقامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔'' (لوقا ۲:۵۲)

ظاہر ہے کہ اِن دونوں واقعات کے درمیان مبشرین نے حضرت عیسیٰؑ کی حیاتِ ارضی کا تسلسل کھو دیا ہے اور اس طرح ان کی زندگی کے اُنیس برسوں کو بڑی خموشی کے ساتھ نظر انداز کردیا ہے۔ جو واقعی اُن کی زندگی کے تاریخ ساز ایام تھے۔ تاہم اِس عرصے کی تفصیل نکولس نوٹووچ نے جو ایک روسی سیاح تھا فراہم کی ہے۔ جو ترکوں کی جنگ (۱۸۷۷۔۱۸۷۸) کے دوران اِن علاقوں سے گزرا تھا۔ وہ کوہ قاف، ایران اور افغانستان سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا اور ۱۸۸۷ء میں کشمیر میں وارد ہوا جسے وہ ''دائمی مسرت کی وادی'' کہتا ہے۔ وہ بغیر کسی منصوبہ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتا رہا۔ بالآخر اُس نے روس کو واپس جانے کا ارادہ کیا۔ وہ وسطی ایشیا کے راستے واپس جانا چاہتا تھا۔ اِس لئے اُس نے لداخ کے راستے کا انتخاب کیا۔ یہاں اُس نے حمس (Himis) کے مقام پر بودھ خانقاہ کی زیارت کی اور خانقاہ کے سربراہ بڑے لامہ سے ملاقات کی۔ اس دوران اُسے پتہ چلا کہ خانقاہ کے کتب خانے میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بارے میں قدیم مخطوطات محفوظ ہیں۔ اُسے اِن کے متعلق تجسس ضرور ہوا۔ مگر اُسے اِن مخطوطات کے بارے میں کوئی زیادہ دلچسپی محسوس نہ ہوئی۔ اور اُن کو دیکھے بغیر وہ خانقاہ سے اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ ابھی وہ زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ اُسے ایک حادثہ پیش آیا اور اُس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اُسے خانقاہ واپس لے جایا گیا جہاں اُسے کچھ عرصہ رکنا پڑا۔ اِس دوران نوٹووچ نے محض وقت گذارنے کیلئے بڑے لامہ سے مذکورہ مخطوطات کو دیکھنے کی درخواست کی جس نے اُسے مخطوطات اور ایک مترجم بھی دیا۔ یوں یہ روسی سیاح مذکورہ مخطوطے کا ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوا۔

روس آنے کے بعد نوٹووچ نے اپنے نوٹس یوکرین کے دارالخلافہ کیو کے کارڈینل پلاٹون کو دکھائے جس نے نکولس نوٹووچ کو مشورہ دیا کہ اِس ترجمے کو شائع نہ کیا جائے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ روم چلا گیا وہاں ویٹیکن میں ایک کارڈنیل (جس کا اُس نے نام نہیں بتایا) نے اس کی اس گراں قدر محنت اور مشقت کے عوض رقم کی پیشکش کی۔ مگر نوٹووچ نے اِس کارڈنیل کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ اِس پیشکش کے ساتھ یہ شرط تھی

کہ ترجمے کو شائع نہیں کیا جائے گا۔ نوٹووچ پیرس چلا گیا جہاں اُس نے کارڈنیل روٹیلی سے ملاقات کی۔ وہ بھی مذکورہ ترجمے کی اشاعت کے حق میں نہیں تھا۔ اُس کے خیالات بہت واضح تھے۔ نوٹووچ کے مطابق کارڈنیل روٹیلی کا کہنا تھا:

''کلیسا کو پہلے ہی ملحدانہ خیالات کی یورش سے پریشانی کا سامنا ہے۔ تمہارا ترجمہ ملحدانہ خیالات کو مزید توانائی دے گا۔ میرا ایسا مشورہ محض دین عیسائیت کے مفادات کیلئے ہے۔'' (سینٹ عیسیٰؑ کی زندگی، ص۱۳)

بالآخر نوٹووچ نے اپنے ترجمے کو نیویارک سے ۱۸۹۰ء میں شائع کیا۔ اور اسے ''سینٹ عیسیٰؑ کی زندگی'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کتاب (یا ترجمے کے نوٹس) اُس کی کتاب 'یسوع کی غیر معروف زندگی' کا ایک حصہ ہے۔

یہ مخطوطے جن کا نوٹووچ کے لئے ترجمہ کروایا گیا تھا تبّتی زبان میں لکھے گئے تھے۔ کچھ حصے پالی زبان میں تھے۔ اصل مخطوطات لاسہ کے قریب ایک خانقاہ کے کتب خانے میں محفوظ تھے جو کوہِ ماربُور پر تھی۔

نوٹووچ کی مطبوعہ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ''حضرت عیسیٰؑ غریب ماں باپ کے بیٹے تھے۔'' وہ غور وخوض کے عادی تھے۔ اُن کا ذہن جسمانی اغراض سے بلند تھا۔ اور وہ علم کے متلاشی تھے۔ اِس ضمن میں مزید بیان کیا گیا ہے:۔

''اُن کے مخنتی والدین کا گھر متمول اور معروف لوگوں کا مرکز بن گیا کہ اس نوجوان عیسیٰ کو وہ اپنا داماد بنا سکیں......''

''یوں حضرت عیسیٰؑ اپنے باپ کے گھر سے چپکے سے چلے گئے۔ اُنہوں نے یروشلم کو چھوڑا اور سوداگروں کے ایک قافلے کے ساتھ سندھ کو آ گئے۔'' (ایضاً ص ص ۱۱،۱۲)

یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ ان دنوں مصر اور ہندوستان کے درمیان تجارت کا راستہ یروشلم اور شام وغیرہ سے گزر کر جاتا تھا۔

''جامع التواریخ'' میں مرقوم ہے:

''یسوع کی عمر تیرہ برس تھی جب وہ مشرق کے ملکوں کی جانب روانہ ہوا۔'' (فقیر محمد: جامع التواریخ، جلد۲ ص ۸۱)

نوٹووچ کا ترجمہ مزید بیان کرتا ہے:

''چودہ برس کی عمر میں نوجوان عیسیٰؑ جس پر خدا کا فضل تھا، سندھ کی اس طرف وارد ہوا اور آریاؤں کے ملک میں قیام گزیں ہوا جس ملک پر خدا کی رحمت تھی۔'' (سینٹ عیسیٰؑ کی زندگی، ۱:۵)

حضرت عیسیٰؑ جین مت کے مندروں میں گھومتے پھرتے رہے اور اُنہوں نے اِس مسلک کا بغور مطالعہ کیا بعدازاں وہ سری لنکا کو چلے گئے جہاں سے وہ جگن ناتھ پہنچے۔

''اُس نے چھ برس جگن ناتھ میں گزارے۔ وہ راجگرھ رہا۔ بنارس میں قیام کیا اور دوسرے متبرک مقامات میں رہا۔ عام آدمیوں کو عیسیٰ سے بڑی عقیدت تھی۔'' (سینٹ عیسیٰؑ کی زندگی، ۵:۵)

نوٹووچ کا ترجمہ مزید بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اِن مقامات میں جڑی بوٹیوں کے بارے میں تحصیل علم کیا۔ طب کی تعلیم حاصل کی اور ریاضی کا درس لیا۔ اُنہوں نے برہمنوں کے مذہبی عقاید کا مطالعہ کیا۔ اور اُن کے ساتھ مباحث میں شریک ہوتے رہے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ نے برملا طور پر برہمنوں کی مذمت کی:

''سفید فام پروہتوں اور کھشتریوں نے جب یہ سنا کہ عیسیٰ شودروں سے بھی بحث مباحثہ کرتا ہے تو وہ عیسیٰ کو قتل کرنے کا سوچنے لگے۔ اُنہوں نے اپنے نوکروں کو اُس کے قتل کیلئے بھیجا۔'' (ایضاً ۱:۶)

جب حضرت عیسیٰؑ کو اس بات کا پتہ چلا تو اُنہوں نے وہاں سے چلے جانے کو ترجیح دی۔ اور رات کی تاریکی میں نیپال کی طرف کو نکل گئے۔ اور وہاں کئی برس قیام کیا۔ وہاں سے اُنہوں نے واپس یہودیہ جانے کا ارادہ کیا۔ اور پہاڑی راستے کو اختیار کیا (ایضاً ۵:۶)۔ اِس سفر کے دوران وہ کشمیر سے گزرے اور افغانستان سے ہوتے ہوئے ایران پہنچے (ایضاً ۱:۸)۔ واپسی کے سفر میں حضرت عیسیٰؑ نے انسانی قربانی اور دیگر برائیوں کے

خلاف تعلیم دی۔ فارس میں حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے ایک ہنگامہ ہوگیا اور اُنہیں فارس چھوڑنا پڑا۔ اور ''خداوند کی حفاظت میں سینٹ عیسیٰ نے سفر کی دوسری منزلیں بخریت طے کیں۔ اور اسرائیل کے علاقے میں بخیر و خوبی واپس پہنچ گئے۔'' (ایضاً ۸:۲۴)

نوٹووچ اِس امر سے آگاہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے اُن پہلوؤں کو بیان کررہا تھا جو اُس وقت تک کسی کو معلوم نہ تھے۔ اور پراسرار ہونے کے باعث جن کی کوئی وضاحت ممکن نہ تھی۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ کلیسا اُس کی کتاب کو رد کردے گا کہ اس کے مندرجات اُسی کے ذہن کی اپنی تخلیق ہیں۔ اِس لئے اُس نے عیسائی دُنیا کو چیلنج کیا اور کہا:۔

> ''میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ میری معروضات پر تنقید کرنے سے پہلے اہلِ دانش کی سوسائٹیاں معمولی اخراجات پر اُس مقام پر جاکر مخطوطات کو سائنسی طریق پر بخوبی دیکھ لیں جہاں میں نے اُن کو پایا تھا۔ اور اِس طرح حقائق کے بارے میں نہایت آسانی سے اُن مخطوطات کے مندرجات کی تاریخی اہمیت کی تصدیق کرسکتی ہے۔'' (سینٹ عیسیٰؑ کی زندگی، باب ۱۵)

نوٹووچ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عیسائی سرے ہی سے اس کے وجود کو ماننے سے انکار کردیں گے اور اِس کتاب کے مندرجات کو ایک امریکی ملحد کے ذہن کی کرشمہ کاری پر محمول کریں گے جو امریکہ سے باہر بھی نہیں گیا تھا (پادری جارج بکویل: حضرت عیسیٰؑ اور بدھ، ص۳۶۷)۔ ایسے الزامات کا بڑی آسانی کے ساتھ جواب دیا جاسکتا ہے۔

سر فرانسس ینگ ہسبنڈ (جو دربار کشمیر میں برٹش حکومت کا ریذیڈنٹ تھا) جب زوجلا کے درے سے گزر رہا تھا تو اُس کی ملاقات نوٹووچ سے ہوئی تھی۔ اُس نے لکھا ہے نوٹووچ اُس وقت کشمیر سے سکردو جارہا تھا اور دونوں نے کیمپ میں ایک رات بسر کی (سر فرانسس ینگ ہسبنڈ: ایک براعظم کا دل، ۱۸۹۶ء، ص۲۱۷)۔ نوٹووچ سے بہت پہلے

مسز ہاروے حمس جاچکی تھیں اور اُنہوں نے مذکورہ مخطوطات کی طرف اشارہ بھی کیا تھا (تاتار، چین اور کشمیر میں ایک عورت کا سفرنامہ، ۱۸۵۴ء-۲:۱۳۶ء۔ تاہم لیڈی میرک نے نوٹووچ کا چیلنج قبول کیا اور حمس پہنچیں۔ وہ لکھتی ہیں:۔

''لیہہ میں یسوع جس کو عیسیٰ کہا جاتا ہے، کے متعلق حکایت موجود ہے۔ حمس کے مقام پر جو خانقاہ ہے اُس کے پاس ایسے بیش قیمت مخطوطات بھی ہیں جو پندرہ سو برس پرانے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ یسوع نے لیہہ میں قیام کیا تھا جہاں اُسے بخوشی ٹھہرایا گیا تھا۔ اور جہاں اُس نے تعلیم بھی دی تھی۔ لیہہ میں طوفان نوح کی روایت بھی ہے۔ اُن کے پاس ایک قومی رزمیہ نظم بھی ہے جس کے صرف چند مسودے ہی محفوظ ہیں۔ یہاں کا ہر گاؤں اس کے متعلق الگ الگ حکایت بیان کرتا ہے۔ دیہاتوں کے قصہ خواں اس کے بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو زمین کے بادشاہ بنے اور اُن کے سب سے چھوٹے بیٹے کی تعلیمات کا ذکر بھی کرتے ہیں جو زمین کی طرف بھیجا گیا۔'' (لیڈی ہنریٹا ایس میریک: دنیا کے بالائی حصہ پر، ص۲۱۵-۱۹۳۱ء)

لیڈی میریک نے نہ صرف نوٹووچ کی تائید کی بلکہ اُس نے مزید تفصیلات کا ذکر بھی کیا۔ وہ بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اپنے نسب کے مطابق شہزادہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اُسے شولوبیت یعنی سیلون لنکا سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔

اِس موقعہ پر یہ سوال بھی غور طلب ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ صلیب پر مرے نہیں تھے جس کے متعلق واقعات پر بحث گزر چکی ہے تو بچ جانے کے بعد اُنہوں نے کیا کیا تھا؟

اِس امر کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ موت کے بعد ''دوبارہ جی اُٹھنے'' کی صورت میں حضرت عیسیٰؑ نے شاگردوں کو متعدد بار سمجھایا اور یقین دلایا کہ وہ اپنے اُس جسم میں برابر زندہ تھے۔ جس جسم کے ساتھ اُنہیں صلیب دی گئی تھی۔ شاگرد حیران ہوئے۔ شک میں

مبتلا بھی ہوئے اور اُن پر یقین نہ کر سکے۔ اِس ضمن میں حضرت عیسیٰؑ کے سامنے دو راستے تھے یا وہ یہودیہ ہی میں رشد وہدایت کو جاری اور مزید آزمائشوں سے دوچار ہوتے رہیں۔ یا وہ اس ملک کو چھوڑ دیں اور اسرائیل کے دس گم شدہ قبیلوں سے اپنی تعلیمات کو مخصوص کر دیں۔ جن کے محل وقوع سے وہ آشنا تھے اور جن کے حوالے سے وہ اپنے حقیقی مشن کی تکمیل کریں۔

اگر وہ یہودیہ ہی میں رہتے تو دوبارہ دھوکے کا شکار ہو جاتے۔ اور اس بار اُن کی قیمت تیس سکے بھی نہ ہوتی جو یہوداہ اسکریوطی نے حاصل کئے تھے۔ یہ درست ہے کہ اُس وقت تک یہوداہ اسکریوطی خودکشی کر چکا تھا۔ تاہم شاگردوں میں پطرس کے مانند دوسرے بھی تھے جن کو حضرت عیسیٰؑ نے شیطان گردانا تھا اور پطرس کو کہا کہ ''اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو جا تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے'' کیونکہ تُو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے (متی ۱۶:۲۳)۔ اور پطرس نے اپنی جان بچانے کیلئے اُس کا انکار بھی کیا تھا اور لعنت بھی کی تھی (متی ۲۶:۷۴)۔ اس لئے وہ اپنے شاگردوں پر اعتبار نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو اپنی تعلیم کے دوران اِدھر اُدھر جانا پڑا اور اعلانیہ تعلیم سے بچتے رہے۔ وہ بھیس بھی بدلتے رہے اور چھپتے پھرتے بھی رہے (مرقس ۷:۲۴، ۳۱ و ۸:۲۷)۔ پھر اُن کا خفیہ پہاڑ پر آنا جانا بھی تھا جہاں اُن کے بعض شاگرد اپنے طور پر اُن سے ملتے تھے۔

اپنی نقل و حرکت کو محدود رکھنے کیلئے تاکہ عام لوگوں کو ان کا پتہ نہ چلے اُن کی تاکید ہوتی تھی۔ خبردار کسی سے نہ کہنا (متی ۸:۴ و ۹:۳۰، مرقس ۱:۴۴ و لوقا ۹:۲۱) مفروضہ ''دوبارہ جی اُٹھنے'' کے بعد بھی وہ بدلے ہوئے لباس میں ظاہر ہوئے۔ اور شاگردوں میں سے دو کو اماؤس میں ایک دوسری صورت ہی میں نظر آئے۔ یہاں تک کہ مریم گلدلینی بھی اُن کو پہچان نہ سکی۔ (مرقس ۱۶:۱۲)

حضرت عیسیٰؑ کو ایسی احتیاط کی کیا ضرورت تھی؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب مشکل نہیں ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو اُن کی تعلیم کے دوران قتل کرنے کے درپے تھے

اور اُنہیں پکڑنا چاہتے تھے۔ اور وہ اُن سے بچتے رہے (یوحنا ۵:۱۶ و ۷: ۳۰، ۴۴)۔ اِس عرصہ کے دوران وہ ایسے خطرے سے بخوبی آگاہ تھے۔ ایک موقعہ پر اُنہوں نے یہودیوں سے استفسار کیا ''تم کیوں میرے قتل کی کوشش میں ہو؟'' (یوحنا ۷: ۱۹) اور اس لئے کہ وہ پکڑے نہ جائیں حضرت عیسیٰؑ کو یہودیہ چھوڑنا پڑا۔

''وہ یہودیہ میں پھرنا نہ چاہتا تھا اس لئے کہ یہودی اُس کے قتل کی کوشش میں تھے۔'' (یوحنا ۷: ۱)

حضرت عیسیٰؑ آخر ایک انسان تھے۔ مسلسل دھوکے اور موت کا خطرہ ان کے ذہن پر رہتا تھا۔ گرفتار ہونے سے ذرا پہلے انہوں نے اپنی ذہنی پریشانی اور اندرونی جذبات کا برملا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''اور ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔'' (مرقس ۱۴: ۳۴)

گتسمنی میں حضرت عیسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ سے دعا اور گریہ و زاری مزید اسی ذہنی کرب کا اظہار کرتی ہے: ''اور زمین پر گر کر دعا کرنے لگا کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے اور کہا اے ابا! اے باپ! تجھ سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ اس پیالہ کو میرے پاس سے ہٹا لے تو بھی جو میں چاہتا ہوں وہ نہیں بلکہ جو تُو چاہتا ہے وہی ہو''۔ (مرقس ۱۴: ۳۶)

اِس سلسلے میں لوقا کا بیان ہے:

''پھر وہ سخت پشیمانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دُعا کرنے لگا اور اُس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔''

(لوقا ۲۲: ۴۴)

خدا کے پیغمبر کی اس دلسوزی کے ساتھ کی گئی دُعا کسی طرح قبولیت کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ایسے آشوب سہنے اور مصلوب ہونے کے بعد حضرت عیسیٰؑ یوسف آرمیتیا کی مدد سے بچا لئے گئے۔ اِس ضمن میں ''واقعہ صلیب کا چشم دید گواہ'' کا مصنف بیان کرتا ہے:

"اُسی دن کی شام کے وقت نکوڈیمس ہماری تنظیم میں وارد ہوا اور اُس نے اطلاع دی کہ آرمیتیا کے یوسف کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور یہودیوں نے اُس پر عملِ مجرمانہ کا الزام لگایا ہے کہ اُس کے یسوع کے ساتھ خفیہ تعلقات تھے۔" (ص۱۰۹)

ایسی خبر کا حضرت عیسیٰؑ پر کیا اثر ہوا۔ اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اُنہیں اُن کے عزیز واقارب دیوانہ قرار دے کر چھوڑ چکے تھے۔ شاگرد اُن کا انکار کر چکے تھے اور اُن پر لعنت کر چکے تھے۔ اور پطرس کو جو کلیسا کی اساس ہے اور جسے حضرت عیسیٰؑ نے جنت کی چابیاں تفویض کی تھیں۔ اُسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اذیت دی گئی اور زدوکوب کیا گیا۔ ایسی خبروں نے حضرت عیسیٰؑ کو بے حد پشیمان اور پریشان کیا کہ یہ سب کچھ اُن کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور یہودی صرف حضرت عیسیٰؑ کیلئے اِن وفادار اور مخلص دوستوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اُنہیں یہ بھی احساس ہوا کہ وہ ایک ایسا شخص بن چکا ہے جس کو پکڑنا لازمی ہے۔ ایسی کیفیت کا ذکر سوائے اُن کے کوئی اور نہیں کرسکتا تھا۔

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابنِ آدم کیلئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں۔" (متی ۸:۲۰)

حضرت عیسیٰؑ نے فلسطین میں اپنی منادی کے دوران تمثیلوں اور کلمات کے ذریعے شاگردوں کو خبردار کیا تھا کہ وہ کسی دُور افتادہ ملک کو جانے والے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو ایسے شخص کے طور پر باور کیا تھا جو کسی دوسرے ملک کو سفر کرنے والا ہے۔ (مرقس ۱۳:۳۴) اور ایک ایسے دولہا کی طرح ہے جسے براتیوں سے جدا کیا جائے گا (متی ۹:۱۵)۔ ایک دوسرے موقعہ پر اُنہوں نے بڑی وضاحت سے کہا:

"اُس نے پھر اُن سے کہا میں جاتا ہوں اور تم مجھے ڈھونڈو گے اور اپنے گناہ میں مرو گے۔ جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے۔" (یوحنا ۸:۲۱)

اپنے شاگردوں سے حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا:

"اے بچو! میں اور تھوڑی دیر تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مجھے ڈھونڈو گے اور

جیسا میں نے یہودیوں سے کہا کہ جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے ویسا ہی اب تم سے بھی کہتا ہوں۔'' (یوحنا ۱۳:۳۳)

یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے کلمات میں آسمانی منازل کی جانب سفر کا ذکر کیا تھا۔ تاہم اگر ایسا ہی مفہوم ہو۔ تو یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اُنہوں نے شاگردوں کے بارے میں پیشگوئی کی تھی کہ وہ اُن کے ہمراہ جنت میں بارہ نشستوں پر بیٹھیں گے۔ ظاہر ہے کہ شاگردوں کو یہ کہنا کہ 'تم مجھے ڈھونڈو گے' مذکورہ مفہوم کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر شاگردوں کے سامنے اور اُن کے علم میں وہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ بائبل بیان کرتی ہے تو یہودیوں کا انہیں اِس روئے زمین پر ڈھونڈنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا اپنے شاگردوں کو یہ کہنا کہ 'تم نہیں آسکتے' ایک نمایاں تضاد کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اگر تسلیم کیا جائے کہ مذکورہ کلمات حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر چلے جانے کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے تو یہ مراد ہوتی کہ شاگرد ایسے خوش کن مقام میں کبھی بھی داخل نہیں ہوسکیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کسی دوسرے سفر کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو کسی دُور افتادہ ملک کی جانب سفر تھا۔ پھر ہم کیوں ایسا اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ حقیقت میں حضرت عیسیٰؑ کی اس سے کیا مراد تھی جبکہ واضح طور پر یہودیوں کو بھی ایسے ہی سفر کا اندازہ تھا۔ جیسا کہ یوحنا کا بیان ہے:

''یہودیوں نے آپس میں کہا یہ کہاں جائے گا کہ ہم اُسے نہ پائیں گے؟ کیا اُن کے پاس جائے گا جو یونانیوں میں جابجا رہتے ہیں۔ اور یونانیوں کو تعلیم دے گا۔ یہ کیا بات ہے جو اس نے کہی کہ تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں میں ہوں تم نہیں آسکتے؟''

(یوحنا ۷:۳۵،۳۶)

تاہم حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''اُس نے شاگردوں سے کہا کہ وہ دن آئیں گے کہ تم کو ابنِ آدم کے دنوں میں سے ایک دن کو دیکھنے کی آرزو ہوگی۔ اور نہ دیکھو گے۔ اور

لوگ تم سے کہیں گے کہ دیکھو وہاں ہے! یا دیکھو یہاں ہے۔ مگر تم چلے نہ جانا۔ نہ اُن کے پیچھے ہولینا۔۔ اور جیسا نوح کے دنوں میں ہوا تھا اُسی طرح ابنِ آدم کے دنوں میں بھی ہوگا۔'' (لوقا ۱۷:۲۲-۲۶)

اِن مذکورہ دو جملوں میں حضرت عیسیٰؑ کا اشارہ فریسیوں کی طرف ہے جنہوں نے اُن سے خدا کی بادشاہت کے آنے کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ اگر وہ ''لوگ'' شاگردوں کو گمراہ کرنے کے خواہشمند ہوں تو یہ سب کچھ روئے زمین ہی پر ہوسکتا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے شاگردوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اُسے فلسطین میں اُن لوگوں کے درمیان مت ڈھونڈیں۔ اِسے مزید واضح کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ نے حضرت نوحؑ کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اپنے لوگوں میں منادی کی، مگر اُنہیں سنا نہ گیا اور سیلاب میں کوہِ ارارط کو لے جایا گیا۔ جو ایک دُور افتادہ مقام تھا (پیدائش ۸:۴)۔

یہ دلچسپ بات ہے کہ کلیسا نے سلسلۂ کوہِ ارارط کو کوہِ ناسس سمجھا۔ لیکن قرآنِ مجید نے پہاڑ کا نام جودی دیا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن مجید غلط ہے اور اس لئے خدا کا کلام نہیں پوپ نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا۔ مکمل تحقیقات کے بعد کمیشن اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ اسیریا کے پہاڑوں کا سلسلہ ارادو تھا جو آرمیدیا میں جھیل وان کے اردگرد تھا اور مقامی طور پر ان کو جودی کے پہاڑ کہا جاتا تھا اور اس مقام پر ''کشتی کا راہب خانہ'' بھی بنایا گیا اور اس جگہ سے کشتی کے کچھ حصے بادشاہ کانسٹن ٹائن کے حکم پر روم لائے گئے۔ ڈمیلو اور پیک نے اپنے بائبل کے تبصروں میں اس کی تصدیق کی ہے (بالترتیب ص۱۵ و ص۱۴۹)۔ پس قرآن مجید کا بیان درست نکلا۔

حضرت عیسیٰؑ بھی شاگردوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی طرح وہ بھی اپنے ملک سے دور ایک طویل سفر اختیار کرنے کو ہیں۔ اور شاگرد اُنہیں ڈھونڈتے نہ رہیں جب وہ اُن سے دُور چلے جائیں۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے حضرت یونسؑ کی جانب بھی اشارہ کیا (متی ۱۲:۳۹،۴۰) جب مچھلی نے اُنہیں اگل دیا تھا اور وہ طویل سفر اختیار کر کے نینوا چلے گئے تھے (یوناہ ۳:۳)۔ واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے

حضرت یونسؑ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے چلے جانے کا اشارہ دیا تھا کہ وہ کسی اور ملک کو چلے جائیں گے اور یروشلم کو ملامت کرتے ہوئے ایک لمبے سفر پر جانے کے قصد کا ذکر کیا تھا:

> ''مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلیم سے باہر ہلاک ہو۔ اے یروشلیم! اے یروشلیم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے اُن کو سنگسار کرتی ہے۔ کتنی ہی بار میں نے چاہا کہ جسطرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کرلیتی ہے اُسی طرح میں بھی تیرے بچوں کو جمع کرلوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو! تمہارا گھر تمہارے ہی لئے چھوڑا جاتا ہے اور میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھ کو اُس وقت تک ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے۔'' (لوقا ۱۳:۳۳-۳۵)

یہ کہنا بعید از قیاس نہیں ہے کہ اُوپر کے اقتباس کے خط کشیدہ جملے عیسائیوں نے اضافہ کیا ہوا ہے۔ اور اِسے حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس آیت کو زبور سے نقل کیا گیا ہے (زبور ۱۱۸:۲۶)۔ تاہم حضرت عیسیٰؑ نے یروشلم کے بے آباد ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور اپنے چلے جانے کا ذکر کیا تھا اور کہ وہ کسی دُور افتادہ منزل کیلئے عازم سفر ہونے کو ہیں جس کے لئے ان کو لمبے عرصہ تک پیدل سفر کرنا پڑے گا۔ پس حضرت عیسیٰؑ نے بہ تکرار خبردار بھی کیا تھا اور کسی دور افتادہ سفر کے ارادہ کا اشارہ بھی دیا تھا جہاں ایک گذشتہ سفر کے دوران انہیں دس گمشدہ قبائل کا پتہ چلا تھا اور جہاں ان کے مشن کی تکمیل ہو گی جیسا کہ انہوں نے فرمایا ''ان کو جو گم ہو چکے ہیں تلاش کروں اور بچاؤں''۔

تیئسواں باب

23

سینٹ جوڈاس تھامس

یوحنا میں اَرامی زبان کے نام تھامس کا ترجمہ جڑواں (Twin) کیا گیا ہے۔ جسے یونانی میں ڈائیڈیمس کہا جاتا ہے (یوحنا ۲۰:۲۴)۔ اور جسے سریانی میں تھوما کہاجاتا ہے۔ نسطوری زبان میں اسکا ترجمہ تھیوم کیا جاتا ہے اور عربی میں اِسے توام کہتے ہیں۔ عربی ادبیات میں تھامس کو عام طور ''بعداذ'' کہاجاتا ہے جو اس شیرخوار بچے کو کہا جاتا ہے جسنے ایک ہی ماں کی چھاتی کا دودھ پیا ہو۔ عربی گرامر کے مطابق جہاں دو دال (د) اکھٹے آئیں تو پہلی دال ت میں بدل جاتی ہے اگر اس پر زیر آتی ہے۔ اور 'ب' میں بدل جاتی ہے اگر اس پر فتح یعنی زبر آتی ہے۔ یوں ''بعداذ'' بعباد بنتا ہے اور اسطرح توام ہی کا معنی دیتا ہے۔ (لسان العرب جلد۴ ص۴۸)

یوحنا نے تھامس کو امتیازی اسم اِس لئے دیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کا توام بھائی تھا۔ اور وہ حضرت عیسیٰؑ سے اسقدر مشابہہ تھا کہ اجنبی افراد حضرت عیسیٰؑ کو تھامس سمجھتے تھے۔ یہ حقائق ایکلاتھومے، (تھامس کے حقائق) سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

یوحنا کی انجیل تھامس کو ایک خاص نوعیت فراہم کرتی ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اُس کی محبت اور عقیدت کا ذکر کرتی ہے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کا ہر کہیں ساتھ دینے کیلئے کوشاں ہے (یوحنا ۱۴:۴،۵) اور اُس کیلئے جان تک دینے کو آمادہ ہے (یوحنا ۱۱:۱۶)۔ مصلوب ہونے کے بعد اور ''دوبارہ جی اُٹھنے'' کے واقعہ کے بارے میں پیدا

ہونے والی تشویش اور سوالات کے ضمن میں تھامس نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ اور ہر چند کہ اس بارے میں اُس کا اپنا یقین نہیں ہے۔ لیکن وہ اِس سلسلے میں اِن واقعات کو اپنے طور پر بھی سمجھنا چاہتا ہے (یوحنا ۲۰:۲۵)۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کی ماں کے ہمراہ اُس وقت یروشلم میں تھا جب ''دوبارہ جی اُٹھنے'' کا واقعہ رونما ہوا تھا (اعمال ۱:۱۳،۱۴)۔ اور حضرت مریم کی ہمراہی ہی میں وہ حضرت عیسیٰؑ کے پیچھے پیچھے گیا تھا۔ جب حضرت عیسیٰؑ تبریاس کی جھیل کو گئے تھے (یوحنا ۲۱:۱،۲) اور دمشق، میسوپوٹیمیا اور مقدونیہ (نصیبن) میں بھی ان کے ساتھ تھا (روضۃ الصفاء جلد ۱ ص۱۲۴- ڈاکٹر کیوریٹن: قدیم سیریائی دستاویزات، جلد ۲۲ ص۱۴۱) اور ٹیکسلا (پاکستان) میں بھی حضرت عیسیٰؑ کے ہمراہ تھا۔ (ایکٹا تھومے، اینٹی نائی سین لائبریری، جلد ۲۰ ص۴۶)۔ بعد ازاں تھامس حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ مری کے راستے کشمیر کو گیا اور حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے وقت اُن کے پاس تھا۔ اِس کے بعد وہ ٹیکسلا آیا اور وہاں سے جنوبی بھارت کے علاقے کیرالہ کو چلا گیا۔ جہاں وہ قتل ہوا اور اُسے میلاپور (مدراس) میں دفن کیا گیا۔

ایکٹا تھومے یعنی تھامس کی انجیل دوسری صدی عیسوی کے آغاز میں ایک شخص لیوسئیس نے تحریر کی۔ اسی شخص نے متعدد دیگر غیر مصدقہ تحریرات بھی لکھی ہیں۔ اُس نے اِس کتاب کیلئے تھامس کے خطوط پر بھی انحصار کیا ہے۔ اور اُس جماعت کی فراہم کردہ معلومات کو بھی بروئے کار لایا ہے۔ جب وہ جماعت جنوبی ہند سے یروشلم اور روم کو جاتے ہوئے اڈیسہ سے گزری تھی۔ ہرچند کہ اِن معلومات سے استفادہ ہوتا رہا تھا۔ لیکن اِسے باقاعدہ طور پر سلامیہ کے بشپ اپی فینیس نے ۳۶۸ء میں مکمل صورت دی۔ ایکٹا تھومے کو ٹیلا نے ۱۸۲۳ء میں شائع کیا۔ اور بعد ازاں ٹشن ڈورف نے ۱۸۵۱ء میں بھی شائع کیا۔ ۱۸۷۱ء میں ڈاکٹر ڈبلیو رائیٹ نے اِسے سریانی سے انگریزی میں ترجمہ کیا (رسولوں کے اپوکریفائی اعمال، جلد۲)۔ ۱۸۸۳ء میں میکس بونٹ نے اِسے جرمن زبان میں لیپزگ سے شائع کیا۔ ڈاکٹر کیوریٹن نے ۱۸۸۴ء میں اِسے ''قدیم سریانی تحریرات'' کے مجموعے میں شامل کیا (ایضاً جلد۴، ۱۴،۱۶)۔ یہ کتاب بعد میں نائسین

کرسچین لائبریری کی فہرست میں بھی شامل تھی جسے ایڈنبرا، انگلستان سے شائع کیا گیا تھا۔ (ایضاً جلد ۲۰)

ایکٹا تھوے کو تمام گرجا گھروں میں تھامس کی انجیل کے طور پر دوسری اناجیل ہی کے ساتھ برابر پڑھا جاتا تھا۔ لیکن ۴۹۵ء میں پوپ گلیسیئس کے حکمنامے کے بعد اسکو بدعتی قرار دے کر بند کردیا گیا۔ یہ انجیل اوائل میں بعض اہم عیسائی فرقوں میں عقیدت کیلئے پڑھی جاتی تھی (پادری اے ای میڈلی کوٹ: ہندوستان اور رسول تھامس، پیش لفظ ص۱۰)۔ اور اب بھی یہ انجیل شامی گرجاؤں میں پڑھی جاتی ہے۔ اسے صرف رومی کلیسا نے روک دیا تھا۔ کیونکہ اِس انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی پاکیزہ ولادت اور خدا کا بیٹا ہونے کا ذکر نہ تھا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے ٹیکسلا میں موجود ہونے کا تذکرہ تھا۔ اور غالباً یہی وجوہ تھیں جن کی بناء پر ابتدائی عیسائی اکابرین نے کہا تھا کہ تھامس حضرت عیسیٰؑ کا توام بھائی نہ تھا۔ بلکہ لائیسس کا توام بھائی تھا۔ اور اُس کے والدین ڈائیوفینس اور روعا تھے جو انطاکیہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن تھامس کے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ابتدائی قریبی مراسم اسکی تصدیق نہیں کرتے تھے۔ جو ناصرہ اور یروشلم کے دور میں اُن کے درمیان تھے۔ ایک دوسری کتاب کلیمینٹین کی دعائیہ کتاب میں کوشش کی گئی کہ تھامس کو ایلی زیر کا توام بھائی بتایا جائے (جلد ۲:۱)۔ بعد ازاں تھامس کا نام رسولوں کی فہرست سے حذف کردیا گیا۔ (جلد ۴ ص۱۴)

تاہم اکابرین کلیسا کی اِن کوششوں کے باوجود یہ امر مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور جوڈاس (تھامس) دونوں توام بھائی تھے۔ سریانی زبان میں ایکٹا تھوے کو جوڈاس تھامس کے اعمال کہا گیا ہے اور کتاب میں جوڈاس کا نام آیا ہے۔ تھامس کا اِس ضمن میں کوئی حوالہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ خداوند کا توام بھائی تھا (تھیلو: ایکٹا تھوے، ص۹۴)۔ متی اور مرقس کی اناجیل میں جوڈاس کو حضرت عیسیٰؑ کے بھائیوں میں سے ایک بھائی کہا گیا ہے۔ (متی ۱۳:۵۵- مرقس ۶:۳) ان بیانات سے یہ خیال عام ہے کہ تھامس حضرت عیسیٰؑ کا توام بھائی ہے (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا کالم ۵۰۵۸- ہیسٹنگز: بائبل کی

لغت، جلد۴، ص۷۵۳) یوسی بئیس اِس رسول کا نام جوڈاس تھامس بتاتا ہے (ایچ ای آئی یوسی بئیس: ۱۳:۱۰)۔ اور اُسے جیمس کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ جیمس کے بیٹے کی بجائے جیمس کا بھائی بتاتا ہے جو بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ کا بھائی تھا (گلتیوں ۱:۱۹)۔ افرایم سائرس بھی جوڈاس تھامس کا ذکر کرتا ہے۔ (ایف سی برکٹ، متن اور اس کا مطالعہ، جلد ۷، ص۲۴)

ایکٹا تھومے کی اہمیت کو کم کرنے کیلئے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تھامس کو رسول بنا کر اڈیسہ (پارتھیا) بھیجا گیا تھا۔ اور اُس کی وفات بھی وہیں ہوئی تھی۔ اور وہ ہندوستان نہیں جاسکا تھا۔ اُس کی یاد میں وہیں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا گیا تھا۔ اُس کا جسدِ خاکی اُس گرجے میں مدفون ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تھامس کے بجائے بارتھولومیو کو ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ بارتھولومیو اگر وہاں گیا بھی تھا تاہم اُس نے وہاں جانے کی کوئی شہادت بھی نہیں چھوڑی ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی نظر انداز کیا گیا ہے کہ اڈیسہ کا عیسائی مرکز جو بطریق ہیڈکوارٹر تھا۔ اس کی سرحدیں اور دائرہ اختیار ہندوستان کے علاقہ جات اور پارتھین ایمپائر تک پھیلی ہوئی تھیں یعنی اس میں موجودہ ہندوستان اور پاکستان کے علاقے شامل تھے۔ پارتھیا کی سلطنت دریائے فرات سے دریائے سندھ تک اور بحر ہند سے بحیرۂ کیسپین تک پھیلی ہوئی تھی۔ اِس لئے کہا جاسکتا ہے کہ پارتھیا کی کلیسا اور ہندوستان کی کلیسا کا باہمی رابطہ بھی تھا۔ اسی لئے یہ خیال ہوا کہ اڈیسہ پارتھیا اور ہندوستان کے گرجاؤں کو اپنے زیرنگیں رکھتا تھا۔ ۳۸۳ء میں بھارت کے مغربی ساحل کے شہر سوفارا کے بشپ ماروسا کا تبادلہ میسوپوٹیمیا کے شہر میافیر روم میں کیا گیا تھا اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ ۱۸۷۷ کے ایک عدالتی مقدمے (ڈیونائیسس جوسف بنام ماراتھانیس تھامس) میں ایک یہ سوال زیرغور تھا کہ کیا کسی بشپ کی مذہبی عہدہ پر نامزدگی انطاکیہ کے بشپ یا کسی اور مذہبی عہدہ دار کو یہ اختیار تفویض کیا جانا ضروری ہوتا تھا؟ ٹراونکور کی عدالت عالیہ (چیف جسٹس آرمزبی اور مسٹر جسٹس سیتا رام آئر) کا فیصلہ تھا کہ ایسا ضروری تھا۔ اپنے فیصلے میں بحث کرتے ہوئے اُن کا استدلال تھا کہ چرچ آف

مالابار کی بناء تھامس نے رکھی تھی۔ جو ایک رسول تھا اور عیسوی سن کی پہلی صدی کے اواخر میں وارد ہوا تھا۔ اور یہ چرچ بہت سی باتوں میں خودمختار تھا تاہم اِس کا تعلق اڈیسہ کے چرچ کے ساتھ تھا۔ اور ۳۲۵ء سے یہ چرچ انطاکیہ کے بطریق کی مملکت میں شامل تھا۔ اِس طرح جس بشپ کو انطاکیہ کے بطریق نے فرقہ میں داخل کیا تھا وہ اُس گرجا کی جائیداد کے بندوبست کا حق رکھتا تھا۔ جو اِس کلیسائی مملکت کا حصہ تھا۔

یہ کہنا مناسب ہے کہ اڈیسہ (جس کا حالیہ نام عُرفہ ہے) ایک عیسائی ریاست کا صدر مقام تھا (اے اینڈ ایل ہائیل پرین: دنیا کی مکمل جغرافیائی ڈکشنری، ۱۸۸۹ء)۔ اور انطاکیہ چند میلوں کے فاصلے پر تھا۔ اور ملک شام کا یونانی دارالخلافہ تھا (مرے: بائبل کی باتصویر ڈکشنری، ص۴۳)۔ میکس مُلر نے ثابت کیا ہے کہ اڈیسہ میں پہلوی زبان بولی جاتی تھی۔ اور یہ اتفاق نہیں ہے کہ پہلوی زبان کی تحریریں جنوبی ہندوستان کے گرجا گھروں میں پائی جاتی ہیں۔

اب یہ معاملہ بھی متنازعہ نہیں رہا کہ تھامس کی ہڈیاں ۱۶۳ء میں مدراس سے اڈیسہ لے جا کر وہاں دفن کی گئی تھیں۔ اور بشپ ہائی ستاپ نے مدفن پر گرجا تعمیر کیا تھا (پروفیسر اے این فرقوہار: تھامس رسول ہندوستان میں، ص۲۱)۔ اور اُس نے تھامس کی یاد میں ایک مذہبی تہوار منانے کا حکم دیا تھا (ایف سی برکٹ: اوائل عیسائی تاریخ، ص۳۰)۔ اِس امر کا ذکر روفائنس نے کیا ہے جس نے ۳۷۱ء میں شام کا سفر کیا تھا۔

ایکٹا تھوے سے متعلق قدیم ترین روایت تھامس کا اڈیسہ کے ساتھ تعلق بتاتی ہے۔ اور اُسے پارتھیا اور ہندوستان کا مبشر بھی گردانتی ہے۔ پان ٹیئنس کو ۱۸۹ء میں اسکندریہ کے بشپ ڈیمٹریس نے ہندوستان بھیجا (ایکٹا تھوما ایک قدیم سیریائی نسخہ، جلد۴، ص۱۸۲)۔ اُس کو جا کر معلوم ہوا کہ وہاں کلیسا پہلے ہی سے موجود ہے جسے ایک رسول نے قائم کیا تھا۔ نیئںڈر اور اُس کے بعد کولنس بھی پان ٹیئنس کی آمد کا ذکر کرتا ہے۔ اور اُن کے مطابق اُس رسول کا نام تھامس تھا۔ پورٹس کا بشپ ہیلپو کلائٹس جو ابتدائی عیسائی وقائع نگار ہے وہ تھامس کا ذکر کرتے ہوئے نہایت واضح ہے۔ اُس کا کہنا ہے:

> ''اور تھامس نے پارتھیا کے لوگوں میں تبلیغ کی اور تعلیم دی۔ میدیا، فارس، باختریہ، بھارت، ہرکانیہ کے لوگوں میں منادی کی اور کلمانیہ، جو بھارت میں ساحل مالا بار کے قدیم ترین شہر کا نام ہے۔ وہاں اُسے برچھی گھونپ کر ہلاک کر دیا گیا اور وہیں دفن ہوا۔'' (سر ولیم ہنٹر: ہندوستانی سلطنت، ص۲۱۳۔ ایس ڈی ایف سالمنڈ: ہپوکلائٹس کی تحریرات، جلد۳ ص۱۳۱)۔

فیبری سیس، سینٹ ایمبر وس کے حوالے سے بتاتا ہے کہ تھامس بھارت کو بھیجا جانے والا رسول تھا۔ اوریجن، روفائنس اور سقراط اُن کی سرگرمیوں کا مرکز پارتھیا کو بتاتے ہیں۔ اِن سرگرمیوں میں بھارت کا اضافہ افریم، گریگری نازییازن کرتے ہیں۔ وہ گوندافیریس کا ذکر بھی کرتا ہے جو ایک راجہ تھا (رولنسن: چھٹی اورینٹل بادشاہت ص۱۳۲)۔ ایمبروس، جیروم اور سفرمیئس اور ٹورس کے گریگری نے جس نے فرانسیسیوں کی قدیم تاریخ لکھی ہے۔ بھارت میں تھامس کے ہلاک ہونے کی روداد بیان کی ہے۔ عاسیمانی کا مجموعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جس میں شام کے وقائع نگاروں کا تفصیلی ذکر ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ سینٹ تھامس میسوپوٹیمیا اور بھارت کو بھیجا جانے والا رسول تھا۔ اور ایک مقام کا ذکر بھی کرتا ہے جسے وہ ''سینٹ تھامس کی رہائش گاہ میلاپور'' کا شہر بتاتا ہے (آسیمانی: اورینٹل کتب کی فہرست، جلد۳، ص۱: ۵۹۰)۔ وہ ایک مکتوب کا ذکر بھی کرتا ہے جسمیں ایک نسطوری بطریق شکایت کرتا ہے کہ عیسائی جانشینی بھارت میں منقطع ہوگئی ہے اور اِسے دوبارہ جاری کرنا ضروری ہے۔

بادشاہ ایلفرڈ کے زمانے میں یقین کیا جاتا تھا کہ تھامس نے تعلیم دی تھی اور اُس نے بھارت میں ہی وفات پائی تھی۔ بادشاہ ایلفرڈ نے بشپ شربورن کی سرکردگی میں ایک جماعت بھارت میں سینٹ تھامس کے مزار پر بھیجی تھی (شیرون ٹرنر: اینگلوسیکسن تاریخ، جلد۲، ص ص۱۴۵-۱۴۶)۔ ایک یونانی سیاح کاسمس نے اپنے عہد کی عیسائی دُنیا کی سیاحت کی تھی وہ ۵۲۲ء میں بھارت کی سیاحت کا ذکر کرتا ہے۔ اُسے جنوبی بھارت

اور سری لنکا میں سینٹ تھامس کے عیسائیوں کا علم ہوا۔ اُس کی اُن سے ملاقات بھی ہوئی۔ اُس نے شمال مغربی بھارت میں بھی عیسائیوں سے ملاقات کی۔ اُس کا کہنا ہے کہ ان عیسائیوں کے بشپ انطاکیہ کے نسطوری بطریق سے مذہبی منصب حاصل کرتے تھے۔ (کوس موس: عیسائی جغرافیائی نقشہ جات، جلد۲، ص ص ۱۷۸، ۱۷۹)۔ ۱۲۹۴ء میں مارکو پولو بھی سینٹ تھامس کی شہادت کا ذکر کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ یہ واقعہ مدراس کے نزدیک پیش آیا تھا۔ (ایضاً جلد۲، ص۳۵۳)

وینس کے کاونٹ، نکولو (۱۴۳۶ء) اور فرائر وِن جنزو ماریا (۱۶۷۰ء) نے متعدد الواح کو جنوبی بھارت میں دیکھا جو سینٹ تھامس کی تبرکات سمجھی جاتی ہیں (آل انڈیا اورینٹل تاریخ، ص۱۳۵)۔ ڈاکٹر اے سی برنل نے بھی ایسا ہی مشاہدہ کیا ہے (ہندوستان میں چند پہلوی تحریرات، انڈین اینٹی کیوری، جلد۳، ص۳۰۸)۔ ڈاکٹر کیوریٹن: ''رسولوں کی تعلیمات'' میں لکھتا ہے:

> ''بھارت کے پادریوں کی نامزدگی رسول یہوداہ تھامس کرتا تھا جو کلیسا کا رہنما اور حکمران تھا جسکی بناء اُس نے خود رکھی تھی۔ جہاں وہ خود تعلیم بھی دیتا تھا۔'' (ڈاکٹر کیورٹن: رسولوں کی تعلیمات، ص۳۱۴ و اینٹی نائی سین عیسائی لائبریری، جلد۲۰، ص۶)

مقامی روایات میں جنوبی بھارت کے عیسائی اپنے آپ کو سینٹ تھامس کے عیسائی کہتے ہیں۔ اور آسوریا کی کلیسا کی نسطوری شاخ کو مانتے ہیں۔ اس لئے اُن کو سریانی کہا جاتا ہے۔ وہ سینٹ تھامس کو اپنی کلیسا کا بانی سمجھتے ہیں۔ اور اُسے اپنا سرپرست گردانتے ہیں (انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا: ایکٹا تھومے، جلد۲۳ کالم۳۰۹)۔ سینٹ تھامس کی یاد میں وہ اپنے کلیسا کے بشپ کو مارتھامس کے نام سے پکارتے ہیں خواہ اُن کا ذاتی نام ابراہام یا یوسف ہی کیوں نہ ہو (ایف ریڈ: مالابار کے ساحل پر سینٹ تھامس کے عیسائی پیروکاروں کے حالات، ص۳۶۳)۔ ۳۴۵ء میں پریسبیٹیرین پادری کو بھی اسی نام سے پکارا گیا تھا۔ جو یروشلم سے یہاں اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے وارد ہوا تھا۔ اُن کے ہاں سونے

کے سکے کا رواج ہے جو سات روپے کے برابر تھا۔ اس سکے کو تھوے کہا جاتا تھا۔ (ڈبلیو گروز: جزائر شرق الہند کا سفر، جلد۱، ص۲- جان فرائیر: مشرقی ہندوستان اور ایران کے متعلق نئی تفصیلات، ص۱۱۶)

اِن نسطوری عیسائیوں کے اصل عقائد بڑے حیرت ناک ہیں۔ یہ عیسائی باپ، بیٹا اور روح القدس کے مروجہ عقائد پر یقین نہیں رکھتے۔ اور نہ یہ کہ مقدس برگزیدہ اصحاب ہی کو 'کُلی تصدیق' کا کوئی علم ہے اور وہ برزخ کو بھی نہیں مانتے۔ وہ صرف بپتسمہ اور عشائے ربانی کو مانتے ہیں۔ لیکن عشائے ربانی کے حوالے سے آبِ مقدس، روٹی اور مئے کا ذکر نہیں کرتے (ڈبلیو آر فلپ: جزائر شرق الہند میں ڈنمارک کے عیسائی مبلغین اور مالابار کے عیسائی برہمنوں کے درمیان ۳۴ کانفرنسوں کی روئیداد، جلد۱۵)۔ انکی عبادات سُریانی میں ادا کی جاتی ہیں۔ اور وہ کسی قسم کا ساز بھی استعمال نہیں کرتے۔ اُن کے گرجا گھروں میں کوئی مجسمہ یا تصاویر دکھائی نہیں دیتیں۔ گبن کے مطابق جب پرتگیزوں نے اُنہیں حضرت مریم کا مجسمہ پیش کیا تو وہ احتجاج کرنے لگے کہ ہم عیسائی ہیں، بت پرست نہیں ہیں (سلطنت روما کا عروج اور زوال، جلد۶، ص۵۲)۔ اُن کے ہاں نہ کوئی راہب ہے، نہ فرائر ہیں اور نہ راہبہ ہیں۔ وہ پوپ کو عالمگیر کلیسا کا سربراہ نہیں مانتے ہیں۔ اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اور نہ کنواری کے بطن سے ان کی ولادت ہی کو مانتے ہیں (ڈبلیو آر فلپ: جزائر شرق الہند میں ڈنمارک کے عیسائی مبلغین اور مالابار کے برہمن عیسائیوں کے درمیان ۳۴ کانفرنسوں کی روئیداد، جلد۱۵)۔ بلکہ انہوں نے اپنی عبادت کی کتاب (بریوریز) میں سے حضرت مریم کی تقدیس کو نکال دیا اور وہ سینٹ تھامس کو حضرت عیسیٰؑ کا توام بھائی سمجھتے ہیں۔ بریوریز عبادت کی یہ کتب ۱۸۸۶ء میں موسل میں ڈومینیکلن فادرز پریس نے شائع کیں۔ اُن کے کلیسا کے اہلکار شادی کرسکتے ہیں۔ اُن کے عقاید کو چین کے نزدیک دیامپر میں ہونے والی کلیسا کی مجلس کے فیصلوں سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اس کلیسا کی مجلس کی صدارت رومن کیتھولک آرچ بشپ مانزی نے کی تھی۔ سائنوڈ، کلیسا کی اس کونسل کو کہاجاتا ہے

جس میں کلیسا کے مندوب شرکت کرتے ہیں۔ اِس کونسل کے فیصلے نے گرجا گھروں میں تصاویر بنانے اور لگانے کا رواج شروع کیا اور اُن کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے عقاید ترک کر دیں۔ اور اپنی مذہبی تحریرات کو کونسل کے حوالے کردیں (ریورنڈ کلوڈیس بوکائن: ہندوستان میں عیسائی، تحقیقات ص۱۴۱۔ مائیکل گدیز: مالابار کے چرچ کی تاریخ، ص ص۱۵۲-۱۵۶)۔ اور اس عقیدے پر ایمان لائیں کہ خداوند کی ماں مریم ولادت خداوند سے قبل اور ولادت کے بعد ہمیشہ پاکباز کنواری تھیں۔ اور جب زمین پر اُن کا قیام تمام ہوا تو اُنہیں اُن کے جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھا لیا گیا (پادری کلوڈیس بوکانن: ہندوستان میں عیسائی تحقیقات، ص۱۴۱)۔ اور جب اُنہوں نے یہ سب کچھ ماننے سے انکار کیا تو جنوبی بھارت کے عیسائیوں کو مذہبی عدالت کا سامنا کرنا پڑا اور اُن کے پادریوں کو موت کی سزائیں دی گئیں۔ (ایضاً ص۳۸۵)

ایکلا تھوے کے مطابق دی گئی تفصیل کے بیان سے پہلے مناسب ہے کہ بنی اسرائیل کا ذکر کیا جائے جو بھارت کے مغربی ساحل پر بمبئی، کوہ چین اور سری لنکا میں آباد ہوئے تھے (کیہم خار: ہندوستان کے بنی اسرائیل، ص۶۵۷)۔ اُن کے مطابق اُن کے اجداد نے یروشلم سے ہجرت کی جب ہیکل سلیمانی کی دوسری بار بے حرمتی ہوئی اور وہ ان علاقوں میں تقریباً ۲۸۰ ق م میں آباد ہوئے (پادری کلوڈیس بوکانن: ہندوستان میں عیسائی تحقیقات، ص۲۲۰)۔ اور بعض افراد (بنی اسرائیل کے قبائل میں سے) شمالی بھارت سے ۱۷۵ ق م تک یہاں آتے رہے تھے (پروفیسر گریٹس: یہودیوں کی تاریخ جلد۶، ص۱۱)۔ ڈاکٹر ولسن نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کے گمشدہ دس قبائل کی نسل سے تھے۔ (ڈاکٹر ولسن : بائبل کی سرزمین، جلد ۲، ص ص۶۶۷-۶۷۹)۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد راجہ ایروی نے اُن کے سربراہ اساپو (یوسف) حابن کے ذریعہ ان کو یہاں آباد ہونے کی اجازت دی۔ (ڈاکٹر اے سی برنل: انڈین اینٹی کیوری، جلد ۲۲۹)۔ بکانن نے لکھا ہے کہ بعض افراد شمال مغربی بھارت اور کشمیر سے بھی یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ اُس نے اِن لوگوں سے استفسار کیا کہ اُن

قبائل کی دوسری اولادوں پر کیا گزری؟ تو اُنہوں نے شمالی بھارت میں اُن کی کئی آبادیوں کا ذکر کیا۔ (ہندوستان میں عیسائی تحقیقات، ص۲۲۴)

بکانن نے اِن لوگوں سے کئی مخطوطات بھی حاصل کیے۔ اُس کا کہنا ہے:

''یہ چرمی لپٹے ہوئے ٹکڑوں پر لکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ''صحیفہ موسوی'' کا قدیم نسخہ تھا۔ ان چرمی ٹکڑوں کو اکٹھا سی دیا گیا تھا جس کی لمبائی ۴۸ فٹ تھی اور ان میں سوراخوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے پر کر دیا گیا تھا۔ یہ کشمیر سے یہاں لائے گئے تھے۔ کابل کے یہودی جو اندرونِ چین چلے گئے تھے کہتے تھے کہ بعض اسرائیلی معابد میں موسوی شریعت کو بکریوں کی کھال میں لپٹے ہوئے چرمی ٹکڑوں پر لکھا جاتا ہے جسے سرخ رنگ میں رنگا جاتا ہے۔'' (ایضاً ص۲۲۹)

ادولی کے بشپ میوسیس نے چوتھی صدی عیسوی میں اُن گرجا گھروں اور ہیکلوں کا ذکر کیا ہے جو شمال مشرقی بھارت میں اور خاص طور پر سرہند میں ہیں۔ اور اُس نے اِن مغربی ساحل کے اسرائیلیوں کے ساتھ ان کے تعلقات بھی پائے (کیپٹن ای ولفرڈ: ہندوستان میں عیسائی مذہب، ص۷۰)۔ اِس ضمن میں پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ کشمیر سے بعض افراد ساحلِ مالابار کو چلے گئے تھے۔ (پنڈت انند کول: کشمیری پنڈت، ص۱۹)

ایکٹا تھومے کے مطابق تھامس کی زندگی کا آغاز اُس وقت ہوا جب رسولوں کو مختلف علاقے سونپے گئے۔ تھامس کو پارتھیا میں کام کرنے کے فرائض سونپے گئے۔ اور اُنہیں بھارت کے اُن علاقوں کی ذمہ داری بھی مل گئی جو پارتھیا کی سلطنت کا حصہ تھے (ایلفرک: تھوما کی اینگلوسیکسن زندگی کے حالات)۔ اِس پر تھامس نے اعتراض کیا کہ میں عبرانی ہوتے ہوئے بھارت کے لوگوں میں کیسے کام کر سکوں گا؟ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور تھامس دونوں ساتھ ساتھ مقدونیہ پہنچے جو نصیبین کا دوسرا نام ہے (ڈاکٹر کریٹن: قدیم سیریائی دستاویزات، جلد۲۲ ص۱۴۱)۔ آبانیص (حبان) جو ایک مبلغ اور گوندافیریس کا ایلچی تھا، وہاں پہنچا اور اُس نے مقدونیہ کے راجہ سے گذارش کی کہ کوئی

معمار وہاں بھیجے جو رومیوں کی طرز کا محل تعمیر کرے۔ حضرت عیسیٰؑ کو علم تھا کہ تھامس ایک معمار ہے اور بڑھئی کا کام بھی جانتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اُس وقت مقدونیہ کے راجہ کی رشد و ہدایت میں مشغول تھے اور اُن کے کہنے پر تھامس کو بھارت بھیجا گیا۔ تھامس خشکی کے راستے سفر کرتے ہوئے میسوپوٹیمیا کی ایک بندرگاہ پر پہنچا اور سمندری سفر کرتے ہوئے دریائے سندھ کے دہانے تک پہنچ پایا۔ وہاں سے وہ دریائی سفر میں ایک مقام تک پہنچا جو اٹک کہلاتا تھا۔ اَبانیص نے تھامس کو گوندا فیریس سے متعارف کیا۔ یہ ۴۸۔۴۹ عیسوی کا ذکر ہے۔ تھامس نے چھ ماہ میں محل تعمیر کر دیا۔ یہ حقیقت کہ کیا حضرت عیسیٰؑ بھی اِس کام میں شریک تھے، اسمیں واضح نہیں کیا گیا۔ تاہم دونوں نے ابانیص کی شادی کی تقریب میں شرکت کی جو گادھ کا بیٹا تھا اور گوندا فیریس کا بھائی تھا۔ (پروفیسر جے ڈبلیو فرقوحار: تھوما رسول ہندوستان میں، جان ریلینڈ لائبریری بلیٹین، جلد۱۲:۱)

> ''تقریبات کے بعد تھامس چلا گیا اور جب دولہا نے وہ پردہ ہٹایا جو دلہن کو الگ کرتا تھا اُس نے دیکھا کہ تھامس دلہن سے باتیں کر رہا ہے۔ اُس نے حیرانی سے پوچھا تم یہاں کیسے پہنچ پائے؟ کیا میں نے تمہیں سب کے سامنے یہاں سے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا؟ اس پر خداوند نے جواب دیا میں تھامس نہیں بلکہ اُس کا بھائی ہوں۔'' (سر وی اے سمتھ: ہندوستان کی اوائل کی تاریخ، ص۲۱۹)

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ٹیکسلا میں موجود تھے جب عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق وہ آسمان پر اُٹھائے جا چکے تھے۔ یہ واقعہ مشابہت کو بھی بیان کرتا ہے کہ تھامس اور حضرت عیسیٰؑ کی شکل و صورت اسقدر ملتی جلتی تھی کہ ابانیص نے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھ کر سمجھا کہ وہ تھامس کو دیکھ رہا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر اِس میں حیرت کی بات نہیں ہے کہ ایکٹا تھومے کو کلیسا نے رد کر دیا تھا اور اِسے مصدقہ اناجیل میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تھامس جنوبی بھارت کو جانے سے پہلے ایک

اور راجدھانی میں چلا گیا۔ مگر اُس کا نام بتایا نہیں گیا۔ تاہم یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۵۰ء کے لگ بھگ کُشان، ہندوکش کو پار کر کے دریائے سندھ کو عبور کر چکے تھے۔ صحیح تاریخ کا علم نہیں ہے مگر ایک کتبے کے مطابق جو ٹیکسلا سے ملا ہے کہ گوندا فیریس ۴۶ء میں حکومت کرتا تھا۔ جبکہ ایک دوسرے کتبے کے مطابق ۶۰ء کشان سب پر حاوی تھے۔ تاہم ۵۰ء کی تاریخ زیادہ معتبر ہے۔ جب کشان حملہ آور ہوئے تھے۔ اِس خطرے کے پیشِ نظر ٹیکسلا کی آبادی بکھر گئی اور رشدو ہدایت کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔ اِن حالات کے باعث دونوں بھائی اپنی والدہ حضرت مریم کے ساتھ قریبی پہاڑوں میں چلے گئے۔ بدقسمتی کہ راستے ہی میں حضرت مریم کی وفات ہوگئی اور اُنہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ وہ جگہ اُن کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور اب اُسے مری کہتے ہیں۔ ابتدا میں اس مقام کو ماری کہا گیا (کشمیر پوسٹل رولز، پنجاب گزٹ نمبر ۶۷۳، ۱۸۶۹ء)۔ مقامی طور پر مری کو ماری کہا جاتا ہے یعنی جہاں حضرت مریم تشریف لائی تھیں۔ (افغانوں، یہودیوں اور کشمیریوں کے ہاں میری کو ماری کہا جاتا ہے)۔ حضرت مریم کا مقبرہ مری میں پنڈی پوائنٹ پر ڈیفنس ٹاور کے پاس ہے۔ جو اُس راہ کی نشاندہی کرتا ہے جس طرف سے وہ آئے تھے۔ اس مقبرے کی سمت شرقاً غرباً ہے جو یہودیوں کی قبر کا رخ ہوتا ہے۔ مقامی لوگ اس مقبرے کو مائی ماری دا استھان کہتے ہیں۔ ڈیفنس ٹاور ۱۸۹۸ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اور چونکہ اُس زمانے میں یہ مقام جنگی نوعیت کا تھا۔ کیپٹن رچرڈسن جو گیریژن انجینئر تھا وہ مقبرے کو مسمار کرنا چاہتا تھا۔ اُس کا مقصد ان لوگوں کو جو مقبرے پر نذر نیاز چڑھانے کو آتے تھے، ڈیفنس ٹاور کے قریب آنے سے روکنا تھا۔ مگر حکومت نے مداخلت کی کیونکہ لوگوں نے احتجاج کیا۔ اس دوران کیپٹن رچرڈسن ایک حادثے کا شکار ہوا اور مر گیا۔ مقامی لوگوں نے اُس کی موت کو مقبرے کی بے حرمتی اور بُری نیت سے محمول کیا۔ میں نے ۱۹۵۰ء میں ایم ای ایس کے توسط سے اور گیریژن انجینئر شمشاد حسین صاحب کی اجازت سے مقبرے کی مرمت کروائی۔

دونوں بھائی ایک دوسری راجدھانی کو چلے گئے جسے کشمیر کہتے تھے۔ وہاں حضرت

عیسیٰ کی وفات ہوئی (تھامس کا ذکر بعباد کہہ کر ہوا ہے) اور تھامس نے اُسے یہودیوں کے انداز میں شرقاً غرباً دفن کیا (شیخ السعید الصادق: کمال الدین، ص۳۵۷)۔

تھامس کو حضرت عیسیٰ سے مالابار اور لنکا کے بنی اسرائیل کے بارے میں ضرور علم ہوا ہو گا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ اپنے پہلے سفر میں اُن کے درمیان رہے تھے (ایضاً ص۳۴۹)۔ تھامس نے کشمیریوں سے بنی اسرائیل کے مالابار کے ساحل اور لنکا چلے جانے کا ذکر بھی ضرور سنا ہوگا (پنڈت انند کول: کشمیری پنڈت، ص۲۱)۔ اِس لئے تھامس واپس ہوا اور دریائے سندھ کے بالائی مقام پر پہنچا اور اُسے معلوم ہوا کہ جنوب کو کوئی بھی جہاز نہیں جارہا ہے کیونکہ راجہ مزدائی ایک قریبی راجہ سے برسرپیکار ہے۔ تاہم ایک اسکندری جہاز جنوب کو جانے والا تھا جو سقوطرا کے مقام پر لنگر انداز ہوگا۔ شمالی اور جنوبی ہندوستان سے تجارت کی غرض سے جہاز عرب اور مصر کو جاتے ہوئے سقوطرا کے مقام پر رکتے تھے۔ جو خلیج عدن سے پہلے افریقہ کے ساحل پر تھا۔

تھامس نے موقعہ غنیمت جانا اور جہاز پر سقوطرا کو روانہ ہوا۔ اِس ضمن میں ہم تھامس کی ابی سینیا میں تبلیغ کا ذکر سنتے ہیں۔ ابی سینیا سے وہ ہندوستان کیلئے عازم سفر ہوا اور کیرالہ کے مقام پر اُترا جو ایک جزیرہ تھا اور کرنگونور کے قریب تھا۔ اِس جزیرے کی بندرگاہ کا نام موزیرس تھا۔ وہاں وارد ہونے کی تاریخ ''۱۷۸۰ سال تخلیق'' بتائی گئی ہے (فرانسس بوکانن: مدراس سے میسور، کنارا اور مالابار کا سفر، جلد۲، ص۳۹۱)۔ سینٹ تھامس کے عیسائی اُس کی آمد کی تاریخ ۴۴۸۱ سال تخلیق بتاتے ہیں۔ برہمنوں کی روایت کے مطابق یہ واقعہ رامائن کی جنگ کے ۱۸۸۵ سال بعد ہوا (کیپٹن ولفرڈ: ہندوستان میں عیسائی مذہب کی ایشیائی تحقیقات، جلد۱۰، ص۸۳)۔ یہ جنگ رام چندر جی اور راون کے درمیان ہوئی تھی۔

تھامس نے مغربی ساحل پر لوگوں کے درمیان رشدوہدایت کی تبلیغ شروع کی اور سات کلیسا قائم کئے۔ اور دو عیسائی سربراہوں کا تقرر کیا۔ اور بعدازاں آندھرا کے شہر کو چلا گیا۔ جو آندھرا کے ضلع میں تھا۔ اس شہر کے بارے میں مغالطہ ہوتا رہا ہے اور اسے دریائے نیل کے شہر اندرا پولس کے ساتھ خلط ملط کیا گیاہے۔ اس شہر کے ذکر کی بنا پر

ایکٹا تھومے کو مصدقہ تحریر نہیں گردانا جاتا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ یہ شہر اندھرا ہی ہے۔ اِس کے بعد وہ میلاپور چلا گیا جو مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ اور وہاں کی رانی ترتیا کو عیسائی مذہب میں شامل کیا۔ اِس تبدیلیء مذہب نے راجہ مزدائی کو برافروختہ کیا اور برہمن حسد کرنے لگے۔ اُنہوں نے لوگوں کو اشتعال دلایا کہ تھامس کو ہلاک کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں چار سپاہیوں نے تھامس کو برچھیاں گھونپ کر ہلاک کردیا۔

یہ روداد سینٹ تھامس کی زندگی کی ہے جو ایکٹا تھومے میں بیان کی گئی ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس غیر مصدقہ تحریر میں کوئی صداقت بھی ہے۔ تاہم یہ امر قابلِ غور ہے کہ اِس تحریر میں معجزوں کا کوئی ذکر نہیں اور نہ عقاید ہی کا کوئی تذکرہ ہے۔

یہ کتاب تاریخی اور جغرافیائی حقائق بیان کرتی ہے۔ تھامس کے روایتی تعلقات جو تاریخی احباب کے ساتھ تھے۔ اور اُن تاریخی مقامات کا ذکر جو اُس زمانے میں موجود تھے واقعی مصدقہ ہیں۔ اس لئے کہ جن راجاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے اُن کے عہد میں واقعی وہ تاریخی شخصیات اور شہر موجود تھے۔ اِس ضمن میں چند تاریخی امور کا ذکر مناسب ہے۔

ا۔ سینٹ تھامس کے بارے اس روایت کا موجود ہونا کہ سینٹ تھامس واقعی جنوبی بھارت میں پہلی صدی عیسوی کے دوران آیا تھا، جہاں وہ قتل کیا گیا تھا اور وہیں اُس کی تدفین ہوئی تھی، یہ حقائق ایکٹا تھومے کی تصدیق کرتے ہیں۔ قلعہ سینٹ جارج (مدراس) سے سات آٹھ میل کے علاقہ میں تین عظیم الشان کیتھیڈرل ہیں جو سینٹ تھامس کی شہادت کے یادگار ہیں۔ اِن میں سے ایک کیتھیڈرل کے اندر چھوٹا سا دروازہ ہے جو تھامس کے مقبرے کی طرف کھلتا ہے۔ اِس زیر زمین کمرے میں سے باعقیدہ زائرین خاک کی پوٹلیاں تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں۔ جن سے بیماروں کو شفا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کیتھیڈرل میں برچھی کا وہ ٹکڑا محفوظ ہے جس سے تھامس کو ہلاک کیا گیا تھا۔ اِس چرچ میں پہلوی زبان میں تحریر کردہ عبارات بھی ہیں جو اب بھی بخوبی دیکھی جاسکتی ہیں۔ تیسرے کیتھیڈرل میں سینٹ

تھامس کے بالائی جسم کا مجسمہ (چھاتی تک) محفوظ ہے۔ یہ مجسمہ دایاں ہاتھ بلند کرکے لوگوں کو برکت دے رہا ہے۔ اُس کے بایں ہاتھ میں بڑھئی کا وہ آلہ ہے جو تعمیر کی عمود کو درست کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ آلہ تھامس کے پیشے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ پیشہ اُس کے باپ یوسف کا تھا جو بڑھئی تھا۔

۲۔ راجہ گوندا فیریس اور گادھ دونوں پارتھین تھے۔ اور ٹیکسلا پر حکومت کرتے تھے۔ اُن کا زمانہ ۲۵-۵۰ عیسوی کا ہے۔ یہ تاریخی دور بہت اہم ہے۔ تختِ بھائی میں ایک کتبہ ملا ہے جس میں گادھ کا ذکر موجود ہے جو گوندا فیریس کا بھائی تھا (امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد ۲ ص ۲۸۸)۔ اُسی مقام پر ایک اور کتبہ بھی ملا ہے جس پر تحریر ہے کہ راجہ گوندا فیریس یہاں ۴۷ء کے لگ بھگ حکومت کرتا تھا۔ (ہندوستان کے آثار قدیمہ کے جائزہ کی رپورٹ برائے ۳-۱۹۰۲ء، ص ۱۶۷) چارسدہ کے نزدیک پلاتی ڈھیری میں ایک چھوٹا ستون ملا ہے جس پر گادھ کا نام بعض رسومات کے سلسلے میں لکھا ہوا ہے۔ (انڈین اینٹی کیوری، جلد ۲، ص ۶۰ (۱۸۷۳ء)

۳۔ آبانیس جو گادھ کا بیٹا ہے جو گوندا فیریس کے بعد بہت مختصر عرصہ کیلئے تخت پر بیٹھا۔

۴۔ کشان کا اُسی زمانے میں حملہ۔

۵۔ راجا مزدائی جو جنوبی بھارت میں حکومت کرتا تھا۔ اور قریب کے کسی راجہ سے برسرپیکار تھا۔

۶۔ تھامس کا مقدونیہ کو جانا (روضۃ الصفا، جلد ۱، حاشیہ ۱۳۲، ۱۳۳)۔

۷۔ حضرت مریم کا مری میں مقبرہ (ماری)۔

۸۔ حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر تھامس کا وہاں موجود ہونا۔ اِس کا ذکر اکمال الدین (ص ۳۵۹) اور عین الحیات (جلد ۲ باب ۲ ص ص ۱۷۷-۱۷۸) میں موجود ہے۔

۹۔ مختلف مقامات کے نام جو جنوبی بھارت میں ہیں جن کا ذکر موجود ہے جہاں تھامس نے قیام کیا۔

مزید تحقیق

حضرت عیسیٰؑ اور یہوداہ توما ٹیکسلا میں

اس باب کے لکھتے وقت مجھے علم نہیں تھا کہ اس میں بیان کردہ حقائق کی تائید میں ٹیکسلا میں دریافت شدہ آثار قدیمہ سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں میری توجہ وینکور (کینیڈا) کی مسز پَیٹ گرووز نے اُس مجسمہ کی طرف مبذول کرائی جو کہ ۱۹۱۳ء میں جیولین کے مقام پر کھدائی کے دوران دریافت ہوا، جو ان مجسموں کے گروہ میں شامل ہے جو ''کوٹھڑی نمبر ۲۹ کے سامنے والا گروپ'' کہلاتا ہے۔ اس مجسّمے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سر جان مارشل سابق ڈائریکٹر جنرل، محکمۂ آثار قدیمہ، انڈیا کہتے ہیں:

> ''اس کا لباس اور ایک مخصوص نوعیت کا چہرہ جس پر داڑھی ہے۔ اس شخص کا غیر ملکی ہونا صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔''

تب میں نے سر جان مارشل کی دو تصنیفات ''ٹیکسلا گائیڈ بک'' (دہلی ۱۹۳۶ء ص ص۱۵، ۱۳۸)۔ A Guide to Taxila اور ''ٹیکسلا'' (کیمبرج، 1951ء۔ جلد ۱ ص ص۶۲، ۸۳) اور آر ای ایم وہیلر، سابق مشیر آثار قدیمہ، حکومت پاکستان کی کتاب ''پاکستان کے پانچ ہزار سال'' لندن، ص۴۲، 1951ء۔ (Five Thounsand Years of Pakistan) بھی پڑھیں۔ ان سب کتابوں میں حواری سینٹ جوڈاس تھامس کی ۴۰ء میں بادشاہ گوندافیریس کے دربار میں ٹیکسلا آنے کا ذکر ہے۔ یہی بات زیادہ تفصیل کے ساتھ پروفیسر ای پی رپسن نے ''ہندوستان کی تاریخ'' (History of India) اور آر بی وہائٹ ہیڈ نے ''لاہور میں پنجاب عجائب گھر میں سکّوں کی فہرست'' (آکسفورڈ، جلد ۱، ص ص۹۴، ۱۹۱۴ء) (Catalogue of Coins in the Punjab Museum at Lahore) میں دی ہے۔

جب میں نے اس غیر معمولی شکل کی تصاویر کو دیکھا جو کہ متذکرہ بالا پہلی دو

کتابوں میں شامل ہے۔ (Platses 23 and 139, Sculptures 181 and 181a) تو مجھے اُس مشابہت اور مماثلت پر انتہائی حیرت ہوئی جو کہ اس شکل کو حضرت عیسیٰؑ کی اس مروجہ تصویر سے تھی جو کہ ہولمین ہنٹ اور دوسرے مشہور مغربی مصوروں نے بنائی ہیں۔ مثلاً چوڑی گالیں، داڑھی، مونچھیں اور چہرے کی دیگر خصوصیات وغیرہ اور میں حتمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچا کہ بالآخر مجھے گم شدہ ثبوت مل گیا۔ چنانچہ بعدازاں میں اس اصلی مجسمہ کو دیکھنے آثار قدیمہ کے عجائب گھر، ٹیکسلا گیا۔ اس گروہ میں تمام مجسموں کو ننگے پاؤں دکھایا گیا ہے سوائے اس بڑے مرکزی مجسمہ کے (جو سر کے بغیر ہے) جو کہ کھڑاؤں پہنے ہوئے ہے اور یہ خاص مجسمہ (جسے میں دیکھنے گیا تھا) بارلیش تھا اور بوٹ پہنے ہوئے تھا اور یہ بوٹ غیر معمولی شکل کے تھے جن پر تسمے یا بکسوئے تھے۔ اُس کی پھندے دار ٹوپی یقیناً کسی شامی چرواہے یا خانہ بدوش مسافر کی معلوم ہوتی تھی۔ اغلباً یہ سفید اونی کپڑے کی بنی ہوئی تھی اور اوپر کی طرف بل دیا ہوا حصہ نرم روئی یا جانور کے نرم کھال کا بنا ہوا تھا۔ گھٹنوں تک لمبا کوٹ دراصل یونیفارم ہے جو کہ اُن دنوں رومی سپاہی شام میں پہنا کرتے تھے۔ پتلون میں بجائے تسموں کے بٹن اور مرصع پیٹی یقیناً ظاہر کرتے ہیں کہ یہ شکل کسی ہندوستانی یا پارتھین کی نہیں ہے بلکہ کسی شامی کی ہے۔ یہ سارا لباس مشرق اور مغرب کے ایک خاص امتزاج کو ظاہر کرتا ہے جو کہ صرف رومیوں کے زیر اثر مشرق وسطیٰ میں ہی ظہور پذیر ہو سکتا تھا اور شام اُن دنوں رومی سلطنت کے زیر تسلط تھا۔

یہ شواہد شامی اور کوشان لوگوں کے امتزاج کا نتیجہ بھی ہو سکتے ہیں آگسٹس Augustus کے دور میں بحیرۂ روم میں ان کی تجارتی سرگرمیاں اپنے ساتھ یونانی اور رومی اثرات لائیں۔ مگر ان سب ممکنات کو ایک طرف رکھ دینا چاہئے کیونکہ جس شخص کے بارے میں ہم مطالعہ کر رہے ہیں وہ سامی (Semitic) نسل سے ہے۔ ایک مخصوص انداز میں پہلوؤں سے تراشی ہوئی نوکدار داڑھی (یہودیوں کو حکم تھا: ''نہ تو اپنی داڑھی کے کونوں کو بگاڑنا''۔ احبار ۱۹:۲۷) ظاہر کرتی ہے کہ یہ آدمی یہودی تھا۔ علاوہ ازیں اس کی شکل کے خد و خال اور بناوٹ مخصوص یہودی انداز کی ہے۔

اس گروپ کے سامنے لگے ہوئے کتبہ پر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

''چھجے دار ٹوپی والا آدمی اس گروپ کے اخراجات کا کفیل ہے۔''

یعنی وہ شخص اتنا ممتاز اور صاحب استطاعت ہے کہ وہ سارے گروپ کا خرچہ برداشت کرسکتا ہے۔ جس کا یقیناً یہ مطلب ہے کہ محل کے تعمیر کرانے کے عوض اُسے اچھا خاصا معاوضہ ادا کیا گیا ہو گا اور اس لئے وہ یہ خرچہ برداشت کر سکتا تھا۔ بہرحال یہ یہودی النسل شخص بہت پاکباز، اہم اور معزز ہو گا کیونکہ اُسے حضرت بدھ (جیسا کہ کچھ ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے) یا بادشاہ گوندا فیریس کے پہلو میں دکھایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ گروپ سینٹ توما کے بادشاہ گوندا فیریس کے لئے محل تعمیر کرانے کے واقعہ کی یادگار کے طور پر تیار کیا گیا ہو۔

سرکپ، ٹیکسلا میں ایک محل جزوی طور پر کھود کر نکالا گیا ہے اور وہیلر اس محل کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ممکن ہے کہ یہی وہ جگہ ہو جہاں پارتھین بادشاہ گوندا فیریس نے کلیسا کے مناد سینٹ توما کا استقبال کیا ہو۔''

لامحالہ یہاں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ مجسمہ حضرت عیسیٰؑ یا رسول سینٹ یہوداہ توما کا ہے کیونکہ ہمیں ویسے بھی معلوم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اتنے ہم شکل تھے کہ لوگ ایک کو دوسرا سمجھ لیتے تھے۔ توما کی انجیل دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی۔ ۴۹۵ء میں ''گیلاسیاس کے فتوے'' کے ذریعے اسے ملحدانہ قرار دے کر رد کر دیا گیا تھا مگر آج بھی وہ اسیرین گرجوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے:

''رسومات کی ادائیگی کے بعد توما محل سے چلا گیا۔ دولہا (ابڈاگاسس) نے وہ پردہ اٹھایا جو اُسے دلہن سے علیحدہ کئے ہوئے تھا۔ اُس کی سوچ کے مطابق اُس نے دیکھا کہ توما دلہن سے مصروف گفتگو ہے۔ تب اُس نے تعجب سے پوچھا: ''آپ یہاں کس طرح موجود ہیں؟ کیا میں نے آپ کو سب سے پہلے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا؟'' اور حضور یعنی حضرت عیسیٰؑ نے جواب میں فرمایا:

''میں توما نہیں ہوں بلکہ اُس کا بھائی ہوں۔'' (ٹی ٹی کلارک: اینٹی نائی سین عیسائی لائبریری، ایڈنبرہ، جلد ۲۰:۴۶)

یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ یہوادہ توما کی ۴۹ء میں ٹیکسلا میں اس تاریخی شادی کے موقعہ پر موجودگی کو حتمی طور پر ثابت کرتا ہے۔ یہ بات کہ یہ مجسمہ جولین خانقاہ ٹیکسلا میں پایا گیا (دیکھو تصویر نمبر ۳۶۱)۔ اس حقیقت پر کسی طرح اثرانداز نہیں ہوتی کیونکہ بدھوں کے علاوہ دوسرے اشخاص کے مجسّمے بھی ایسی خانقاہوں سے کھود کر نکالے گئے ہیں۔ کسی محل کا معمار یا کوئی اور اہم شخص خانقاہ میں پایا جا سکتا تھا خصوصاً اگر وہ اُس گروپ کا مالی کفیل تھا۔ ایسے موقعہ پر اُس کے ساتھ ایک یا ایک سے زیادہ شاہی خاندان کے لوگ بھی ہوں گے۔ جولین خانقاہ کے دور کا تعین دوسری صدی عیسوی کا ابتدائی حصہ کیا گیا ہے اور اس گروپ میں جو غیر ملکی دکھایا گیا ہے وہ اس وقت سے قبل موجود ہو گا۔ حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ یہوادہ توما کی بادشاہ گوندا فیریس کے دربار میں آمد کا واقعہ اس دور سے قبل یعنی ۴۸-۵۰ء کے زمانے کا ہے۔

مرکزی مجسمہ، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، بغیر سر کے ہے اور اس کے دونوں بازو اور ہاتھ بھی غائب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اعضا ہنوں کے حملہ کے دوران نکال یا توڑ دیئے گئے تھے۔ یہ مجسمہ پلاسٹر یا سیمنٹ کے بنے ہوئے مجسموں کے گروپ کے درمیان کھڑا ہے اور جس میں حقیقت پسندی اور ہیئت کی نقالی کی خوبی انتہائی انداز میں آشکار ہے۔ یہ گروپ انتہائی عجیب ہے اور گروپ میں موجود تمام شخصیات کی انفرادیت کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ مجسموں کا یہ گروپ عدیم المثال ہے۔

اس کے غیر ملکی (Foreigner) ہونے کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ یہ مرکزی مجسمہ ایک لمبا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے ہوئے ہے۔ اس کے اوپر دونوں اطراف پر کہا جاتا ہے کہ اوالوکیست وارہ (Avalokitesvara) اور بودھی ستوا میتریا (Bodhisattva Maitreya) کی مورتیاں ہیں۔ لیکن معمول کے مطابق بائیں طرف یونانی دیوتاؤں کے پینے والی شراب کا جام موجود نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مورتیاں صرف فرشتوں یا دیوتاؤں

کی ہوں۔ نیچے دائیں طرف ایک راہب ہے جو کہ سنگھاٹی پہنے ہوئے ہے اور اس کا ایک کندھا ننگا ہے، ممکن ہے کہ یہ خانقاہ کا نگران ہو۔ مرکزی مجسمہ اور غیر ملکی کے درمیان ایک قدرے چھوٹا مجسمہ ہے جو کہ اسی طرح کا لباس پہنے ہے سوائے یہ کہ اُس نے ''مکھٹ'' اور کچھ دیگر زیورات بھی پہن رکھے ہیں۔

کچھ ماہرین آثار قدیمہ نے اندازہ لگایا ہے کہ ممکن ہے کہ مورتی غیر ملکی کی بیوی کی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مورتی کسی شاہزادے یا شاہزادی کی ہو جو کہ جیسا کہ اُن دنوں معمول تھا، کسی معزز مہمان یا محل کے معمار کو کسی ''بدھ وھارا'' میں لے جانے کے لئے ساتھ دے رہا ہو یا دے رہی ہو۔ مگر اس بڑے مجسمے کی کچھ نرالی خصوصیات ہیں۔ یہ شخص کندھوں سے نیچے گرتا ہوا ایک چوغہ عربوں کے عبا کی طرح، ایک بلا آستین چوغا یا لبادہ پہنے ہوئے ہے جو کہ بڑے قدیم زمانہ سے شاہی خاندان کے افراد خصوصاً اور امراء طبقہ عموماً زیب تن کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے نیچے بھی لباس اور سینڈل پہنے ہوئے ہیں۔ کچھ ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ یہ بڑا مجسمہ حضرت بدھ کا ہے اور وہ یہ رائے فقط لباس کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔ ان قیاس آرائیوں کا میرے نزدیک کوئی جواز نہیں۔ اس مجسمہ پر کسی قسم کا زیور نہیں ہے اس لئے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ''بودھی ستوا میتر یا'' کا نہیں ہے۔ اُن کی رائے سے اتفاق کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اسی شخصیت کے مجسمہ کا پشاور کے عجائب گھر میں مجسمہ نمبر ۱۸۶۶ (پلیٹ نمبر ۵)، جو ''پشاور عجائب گھر کی رہنما کتاب'' مصنفہ ایم اے شکور (۱۹۴۵ء) میں درج ہے یا لاہور میوزیم کے گندھارا ہال میں مجسمہ نمبر ۲۳۴۵ کو دیکھ لیا جائے۔

مگر یہ بڑا مجسمہ میرے نزدیک حضرت بدھ کا بھی نہیں کیونکہ اس کا لباس کسی گوشہ نشین عابد کا نہیں اور حضرت بدھؑ ہمیشہ ایک گوشہ نشین عابد کا لباس پہنا کرتے تھے اور انہیں اُن تمام مجسموں میں جو ہمیں دستیاب ہیں، ایسا ہی دکھایا گیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اس بڑے مجسمہ کے سر کے پیچھے ایک بہت متبرک سا ہالہ دیکھا جا سکتا ہے مگر یہ آدھا کٹا ہوا ہے اور پھر یہ درمیان میں بھی نہیں بلکہ زیادہ دائیں طرف

ہے جو کہ غیر فطرتی بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ بڑا ہونے کی وجہ سے کوئی خاص اہمیت بھی نہیں رکھتا اور ایسا ممکن ہے کہ یہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہو یا شاید ناقص ڈھلائی کا نتیجہ ہی ہو۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بدھ مت کے مہایانہ فرقہ کے لوگ اس بات کے متعلق خاص خیال رکھتے اور کوشش کرتے تھے کہ مہاتما بدھ کو بہترین طریق سے پیش کیا جائے۔ جب بھی مہاتما بدھ کو کسی گروپ میں دکھایا گیا تو تمام لوگ جو ان کے گرد تھے انہیں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے یا اُن کی عبادت کرتے ہوئے دکھائے جاتے تھے۔ خواہ وہ فرشتے ہوں یا دیوتا، یا آریہ قوم کے خدا برہما، اندرا اور وشنو، حتیٰ کہ بادشاہ اور رانیاں بھی سب کے سب انہیں پوجتے ہوئے یا انہیں خراج عقیدت و تحسین پیش کرتے ہوئے دکھائے جاتے تھے۔ مہاتما بدھ کو اُس زمانے کی یا اُس زمانے سے قبل کی تمام دیومالائی کہانیوں کا مرکزی کردار دکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ مہاتما بدھ کی ماں، جنہیں شادی شدہ مانا گیا ہے کو دکھایا گیا ہے کہ وہ مہاتما بدھ کو پسلیوں سے جنم دے رہی ہیں (چونکہ کسی طرح سے یہ یقین کر لیا گیا تھا کہ وہ کنواری تھیں) اور گروپ کے تمام حاضرین ان کو عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے اور استقبال کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ اسی طرح پر مہاتما بدھ کا مر کر دوبارہ زندہ اٹھنے کے منظر کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے اور انہیں تابوت سے نکلتا ہوا دکھایا گیا ہے، گو اُس زمانے میں ہندوستان میں تابوت کا کوئی وجود نہ تھا اور یہ خیال ہندی یونانی لوگوں یا سائی تھین لوگوں سے بعد کے زمانہ میں مستعار لیا گیا ہے۔

مہاتما بدھ کا واحد مجسمہ جو ایستادہ حالت میں شیشے کا خاکدان اٹھائے ہوئے ہے جس میں وہ متذکرہ بالا بڑے مجسّمے سے ملتا جلتا لباس پہنے ہوئے ہے جو پشاور میوزیم (مجسمہ نمبر ۱۴۲۰) میں ہے اور ایسا ہی ایک مجسمہ گندھارا ہال، لاہور میوزیم میں ہے (مجسمہ نمبر ۲)۔ ان دونوں میں سر تو موجود ہے مگر دونوں نے لمبا چوغہ نہیں پہنا ہوا اور نہ ہی اندرونی ملبوسات یا سینڈل ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے زیورات اور سینڈل ''بودھی

ستوا میتریا'' پہنا کرتے تھے نہ کہ مہاتما بدھ۔ سر جان مارشل نے اپنی کتاب ''ٹیکسلا'' کی جلد۳ میں پلیٹ نمبر ۱۰۶ والے مجسمہ کو مہاتما بدھ کا مجسمہ قرار دیا ہے مگر گو یہاں وہ ٹوگا پہنے ہوئے ہیں سر پھر بھی غائب ہے اور یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ مہاتما بدھ ہی کا مجسمہ ہے۔

عین ممکن ہے کہ اس معاملہ میں بھی تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے ممتاز ماہرین آثار قدیمہ کا یہ دعویٰ غلط تھا جو کہ ایک مدت تک وہ کہتے رہے کہ بعض خاص قسم کے مجسمے بہت ہی ابتدائی دور کے ہیں۔ مگر بعد ازاں ڈاکٹر ڈبلیو، ڈبلیو ٹارن نے اپنی کتاب ''یونانی ہندوستان اور بقتریا میں'' میں ثابت کیا ہے کہ یہ مجسمے دراصل بہت بعد کے زمانے کے ہیں۔ تاہم اُن کے خیالات بغیر رد و کد اور ہچکچاہٹ کے قبول نہ کیے گئے۔ اس بڑے مجسمہ کے معاملہ کا سطحی جائزہ لیتے ہوئے اور پہلے سے تصور شدہ نقطۂ نظر کو کافی سمجھتے ہوئے اُن لوگوں کو جو پہلے ہی اس خیال کے تھے کہ یہ مجسمہ مہاتما بدھ کا ہے۔ اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی گئی۔ بدقسمتی سے غائب سر نے معاملات کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا ہے اور اُن لوگوں کو موقعہ فراہم کیا ہے کہ وہ لباس کے بارہ میں ظنّی قیاس آرائیاں کریں۔ بڑا مجسمہ مہاتما بدھ کے مروجہ انداز یا حالت کو ظاہر نہیں کرتا۔ یہ مجسمہ نہ تو ''شکشا مدرا (حالت مراقبہ)، نہ ہی ''ابھایا مدرا'' (حالت استغفار) اور نہ ہی ''دھرما چکرا مدرا'' (واعظانہ یا دلائل دینے کی حالت) ظاہر کرتا ہے اور نہ ہی اس حالت کو ''دھیانہ'' یا مدرا یا سمادھی مدرا کہا جا سکتا ہے۔ یعنی حالت دھیان جس میں بیٹھے ہوئے دونوں ہاتھوں کو جوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ بدقسمتی سے دونوں ہاتھ بھی غائب ہیں اس لئے مہاتما بدھ کے معروف انداز اور حالت اس بڑے مجسمے کو بطور مہاتما بدھ شناخت کرنے کے لئے زیادہ مددگار ثابت نہیں ہوتے۔ یہ لوگ ایک اور اہم حقیقت کو بھی نظرانداز کر جاتے ہیں۔ کہ اس گروپ میں سے کوئی بھی بشمول دونوں فرشتوں یا دیوتاؤں کے، اس بڑے مجسمہ کی عبادت کرتا یا اس کو نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوا نہیں دکھایا گیا۔ ''غیر ملکی'' کی ''بیوی'' بھی ایسا نہیں کر رہی ہے۔ جڑے ہوئے ہاتھ ''غیر ملکی''

کے لئے عزت و احترام کے اظہار کے طور پر ہو سکتے ہیں۔ فرشتے یا دیوتا جو کہ دونوں طرف اوپر کی جانب دکھائے گئے ہیں، نہ ہی پھول نچھاور کر رہے ہیں اور نہ ہی اسے مبارکباد پیش کر رہے ہیں۔ مجسمہ خود ایک ٹوگا پہنے ہوئے ہے جسے مہاتما بدھ کے اندرونی پہناوے سے جو ان کا عمومی لباس ہوتا ہے، خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ اندر کے پہناوے اور کھڑاؤں کی موجودگی بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تمام غیر معمولی چیزوں کو معقول انداز میں تسلی بخش طریقے سے سمجھنا چاہئے یا اس بات کا اعتراف کیا جائے کہ یہ بڑا مجسمہ کسی اور کا ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ حضرت بدھ کے لباس میں ہے مگر کسی طرح حضرت بدھ کا نہیں ہے۔

تاہم اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ بدھ مت کے دور میں بادشاہوں اور امرا کے لئے غیر معمولی بات نہ تھی بلکہ نیک اور قابل تحسین بات سمجھی جاتی تھی کہ وہ مہاتما بدھ جیسے لباس میں ظاہر ہوں یا ایسے کام کریں یا ایسا رویہ اپنائیں جو کہ مہاتما بدھ کی طرف منسوب کیا جاتا ہو۔ یہ آبادی کی اُس اکثریت کی خوشنودی یا دلجوئی کے لئے کیا جاتا تھا جو کہ بدھ مت کی پیرو تھی۔ ایک اور پہلو بھی ہے۔ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ بادشاہ گوندا فیرلیس نہ تو وہ خود بدھ مت کا پیرو تھا اور نہ ہی وہ بدھ مت کی طرف مائل تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے اوپر بیان کردہ وجوہات کی بنا پر رسمی تقریبات کے لئے مہاتما بدھ کا لباس اختیار کر لیا ہو اور ٹوگا، زیریں ملبوسات اور کھڑاؤں کو بھی اس کے ساتھ شامل کر لیا ہو۔

بڑے مجسمے کا لباس صرف اسی بناء پر ماہرین آثار قدیمہ کے نظریہ پر پورا اتر سکتا ہے کیونکہ لباس ایک گوشہ نشین کے لباس سے زیادہ شاہانہ نظر آتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ لباس ان پارتھی سکوں پر کندہ لباسوں سے مختلف نہیں جو کہ پاکستان کے عجائب گھروں میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً سکہ نمبر ۱۴ پلیٹ ۲۰ میں۔ تقابلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو ''تاریخی نتائج'' از ایچ ٹی پرنسپ (۱۸۴۴ء) جس میں اس کا زمانہ ۱۰۰ء ہے ''شاہوں کے شاہ'' کناسکا کو ٹوگا پہنے دکھایا گیا ہے۔

اسی طرح اسی دور سے متعلقہ سکوں کی تصویریں ڈاکٹر پرسی گارڈنر نے اپنی کتاب ''برطانوی عجائب گھر میں ہندوستانی سکوں کی فہرست'' (لندن، ۱۸۸۶ء) میں دی ہیں اور پھر چاس جے راجرسن نے اپنی کتاب ''سکوں کی فہرست'' (کلکتہ، ۱۸۹۵ء) میں بھی دی ہیں۔ یہ اُس دور کے ملبوسات کی بڑے مجسمے کے لباس سے مماثلت کو ظاہر کرتی ہیں۔

ان تمام حقائق کی بنا پر قدرے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑا مجسمہ بادشاہ گوندا فیریس کا ہے جو کہ مہاتما بدھ کے لباس جیسا لباس پہنے ہوئے ہے اور جس کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ یہوادہ توما کھڑے ہیں۔ میرے مقصد کے لئے یہ بات زیادہ اہمیت کی حامل نہیں کہ آیا یہ بڑا مجسمہ مہاتما بدھ کا ہے یا ان کے لباس میں کوئی اور ہے۔ بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم ثابت کر سکیں کہ حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ یہوداہ توما بادشاہ گوندافیریس کے دور میں ٹیکسلا آئے تھے اور یہ امر خود توما کی انجیل سے بھی ثابت ہے اور اس داڑھی والے باریش یہودی کے مجسمہ سے بھی جو کہ دو ہزار سال قبل ٹیکسلا میں نصب کیا گیا۔

یہ مجسمے ایک خانقاہ سے کھود کر نکالے گئے جو ٹیکسلا کے نزدیک ایک گاؤں ''جولیان'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس نام کی اصل وجہ تسمیہ کے بارہ میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ یہ ہندوستانی نام نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس گاؤں کا نام جیولین کے نام پر رکھا گیا ہو۔ جیولین نصیبین (عراق) کا رہنے والا تھا اور ایک تاریخی روایت کے مطابق یہوداہ توما کے ہمراہ ٹیکسلا آیا تھا۔

ٹیکسلا کے عجائب گھر میں ایک کتبہ ہے جو کہ سرکپ ٹیکسلا سے کھود کر نکالا گیا ہے۔ یہ کتبہ ٹوٹا ہوا ہے، اس پر عبارت جگہ جگہ سے مٹی ہوئی اور نامکمل ہے۔ سر جان مارشل کی رائے میں یہ پہلی صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے (رہنمائے ٹیکسلا، ص۹۹) اور ایک ہشت پہلو سنگ مرمر کے ستون کا حصہ تھا جو کہ بلاک ایف کے ایک گھر کی دیوار میں نصب تھا۔ اس کتبہ پر کندہ تحریر آرامی زبان میں ہے اور اس کتبہ کی یہاں موجودگی

جو کہ عبرانی بولی کا حصہ ہوتی تھی جو حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواری بولتے تھے، خاص اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ یہوداہ توما کی ٹیکسلا میں موجودگی کو تسلیم کئے بغیر اس کتبے کی موجودگی کی کوئی اور وجہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ ابتک اس کی موجودگی کا جواز بیان کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی اگرچہ اس کی دریافت کے فوراً بعد اس کو ترجمہ کرنے کی کوششیں ضرور کی گئی تھیں۔ اس ریکارڈ کی نقول ڈاکٹر ایل ڈی بارنٹ اور پروفیسر اے کاؤلے نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ میں شائع کرائی تھیں (۱۹۱۵ء ص ۳۴)۔ اس سلسلہ میں ایف سی انڈریاس مرحوم کی یادداشت نے جو کہ ڈاکٹر ڈبلیو ایچ ونکلر نے شائع کئے تھے۔ مزید پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ کتبے کا نامکمل اور شکستہ ہونا اور پھر ان لوگوں کے ذہنوں میں پہلے سے موجود خیالات اور اصلی پس منظر سے عدم آگاہی نے مل کر الجھن کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ کندہ تحریر ایک بڑے سرکاری افسر ''روما دتہ'' کے متعلق ہے اور اس کے علاوہ اس میں دو اور ناموں کا بھی ذکر ہے یعنی نگاروڈا اور پریا ڈارسیا۔ باقی ماندہ ترجمہ خیالی ہے اور اس لئے بے معنی ہے۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ صحیح علم کے فقدان کی وجہ سے یہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ یہ تینوں الفاظ بجائے مخصوص ناموں کے توصیفی اور بیانیہ نام بھی ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے کتاب ''رہنمائے ٹیکسلا'' مصنفہ مولوی محمد حامد قریشی، اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ، آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا، (کلکتہ ۱۹۲۴ء، ص ۱۴۴) سے استفادہ بھی نہیں کیا جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اس کندہ تحریر میں ٹیکسلا میں دیودار کی لکڑی اور ہاتھی دانت سے بنے ہوئے ایک محل کا ذکر ہے۔ مغربی سکالرز نے اس بات کو بھی نظرانداز کیا ہے کہ نگاروڈا آرامی زبان میں بڑھئی کے کام کو کہتے ہیں اور روما دتہ دراصل رودرا دیوتا ہے جس کا ترجمہ ''خدا بیٹا'' ہے اور پریا درسیہ ایک پردیسی یا غیر ملکی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ سر جان مارشل نے اعتراف کیا ہے کہ مغربی سکالرز فقط ممکنات پر چلتے رہے۔ انہوں نے اس حقیقت کو بھی نظرانداز کیا کہ اُن دنوں ہندوستان میں کسی بھی مقدس انسان کو بلا استثنٰی ''خدا کا بیٹا'' یا کسی اور خدا

کا بیٹا کہا جاتا تھا۔

لیکن اگر ہم ان حقائق کو اپنے صحیح پس منظر میں رکھ کر دیکھیں تو ہمیں ایک غیر ملکی کو جو کہ بڑھئی بھی ہے اور ٹیکسلا میں موجود ہے، تلاش کرنا ہو گا جو ایک محل کی تعمیر میں لگا ہوا تھا اور جو ایک مقدس کے ساتھ تھا جس کو بجا طور پر رودرا دیو یا خدا کا بیٹا کہا جا سکتا ہے۔ میں اس بات کا بھی ذکر کرتا چلوں کہ ایم سلوان لیوی نے اپنی یادداشتوں میں ایک اور قابل ذکر حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ یہ یادداشتیں مسٹر ڈبلیو ایچ فلپس نے ترجمہ کیا جو رسالہ ''انڈین اینٹی کیوری'' میں ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی تھیں (جلد ۳۲، ص ص ۳۸۱-۴۱۷)۔ ان یادداشتوں کے متعلق ان کا ایک ضمیمہ بھی ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا (جلد ۳۳ ص ۱۰)۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کا واسو دیو جو کہ گوندا فیریس کا ہمعصر تھا۔ اس کا توما کی انجیل میں مختلف طریق پر ذکر ہے کہ وہ سینٹ یہوداہ توما سے کشمیر میں ملا تھا۔ یہ حوالہ دو بہت قدیم عربی کی کتابوں ''اکمال الدین'' اور ''عین الحیات'' کی تائید کرتا ہے جن میں حضرت عیسیٰؑ کے ہم شکل یا جڑواں بھائی کی حضرت عیسیٰؑ کی سرینگر میں وفات کے وقت موجودگی کا ذکر ہے۔

چوبیسواں باب

24

حضرت عیسیٰؑ کا سفرِ کشمیر

حضرت عیسیٰؑ کا مشن اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل کی فلاح و ہدایت اور اُن کو بچانے کا تھا۔ اُن کا مشرق کو پہلا سفر نہ صرف اُن قبائل اور ان کے گردونواح کو پہچاننے کا تھا بلکہ وہ اُن کے درمیان افغانستان، تبت، کشمیر، مالابار اور سیلون میں رہے بھی تھے۔ اُن کا مشن اُن کے ذہن میں برابر زندہ رہا تھا۔ اور اُن علاقوں کی یادداشت بھی اُن کے ذہن میں نمایاں تھی۔ جب اُنہیں اپنے محسن یوسف آرمیتیا کی حراست کا علم ہوا۔ یہ خبر اُن کیلئے آخری خطرے کی گھنٹی ثابت ہوئی اور حضرت عیسیٰؑ کو ایسینی برادری نے بڑی آسانی سے آمادہ کیا کہ وہ اپنے ملک یروشلم کو چھوڑ دیں۔

''کنز العمال'' میں ابوہریرہ کی روایت ہے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کی یروشلم چھوڑنے پر رہنمائی کی کہ کہیں وہ پہچانے نہ جائیں اور اُنہیں پھر تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ (کنز العمال جلد ۲ ص ۳۴)

ابنِ جریر، تفسیر ابن جریر الطبری میں لکھتے ہیں:

''حضرت عیسیٰؑ کو بھی حضور اکرمؐ کی طرح کے حالات کا سامنا تھا۔ اُن کی والدہ اور خود اُنہیں یہودیوں کے تشدد کے باعث فلسطین سے ہجرت کرنا پڑی اور انہیں دُور کے ایک ملک کو جانا پڑا تاکہ پھر مزید تشدد کا سامنا نہ کرنا پڑے اور انہوں نے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر اختیار کیا۔''

(تفسیر ابن جریر جلد ۳ ص ۱۹۷)

حضرت عیسیٰؑ فلسطین کو چھوڑ کر کوہِ زیتون کی چوٹی سے ''وائیٹ لاج'' آئے۔ اُنہوں نے بھیس بدلا ہوا تھا۔ اِسی وجہ سے مریم مگدلینی بھی اُنہیں پہچان نہ سکیں۔ جب وہ اُن کے سامنے ہوئے (یوحنا ۲۰: ۱۴)۔ اور اسی طرح جب اماؤس کے دو مردوں کے ساتھ چلتے رہے تو وہ بھی اُن کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ ایک شخص نے اُن سے استفسار بھی کیا کہ کیا وہ یروشلم میں اجنبی مسافر ہیں؟...... اور بالآخر انہوں نے ان کو پہچان لیا۔ جیسا کہ لوقا نے بیان کیا ہے: ''پس وہ اندر گیا تاکہ ان کے ساتھ رہے جب وہ ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا تو ایسا ہوا کہ اس نے روٹی لے کر برکت دی اور توڑ کر انہیں دینے لگا۔ اس پر اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے اس کو پہچان لیا۔ اور وہ اُن کی نظروں سے غائب ہوگیا'' (لوقا ۲۴: ۱۸-۳۱)۔ اور جب وہ تبریاس کی جھیل کے پاس ظاہر ہوئے تو بھی اُن کے شاگرد اُنہیں پہچان نہ سکے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ ہیں (یوحنا ۲۱: ۱، ۴)۔ لیکن اس بھیس بدلی ہوئی حالت کے باوجود ایسینی تنظیم جو ان کی ساری منصوبہ بندی سے آشنا تھی اس کے افراد نے اُنہیں پہچان لیا۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰؑ نے بالآخر یروشلم چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تو ''واقعہ صلیب کا چشم دید گواہ'' کا مصنف لکھتا ہے:

> ''اُس کی رُوح سخت پریشان تھی اور اُس کا دل اداس تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ یہودیہ کے راستے سے آخری بار گزر رہا ہے ...... پھر تنظیم کے بزرگوں نے اُنہیں پیغام بھیجا کہ وہ اُن کا انتظار کر رہے ہیں اور دیر بھی ہوچکی ہے ...... حضرت عیسیٰؑ تیز رفتاری سے چھائی ہوئی دھند میں سے گزرے اور ...... راستہ بھر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ تنظیم کے سربراہ تھے۔''
>
> (ص ص ۱۲۳، ۱۲۴)

پھر حضرت عیسیٰؑ اماؤس سے گزر کر جوزافت (یہوسفط) کی وادی پہنچے اور مغربی یہودیہ سے ہوتے ہوئے سماریہ میں داخل ہوئے جس علاقے میں یہودیوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ پس رات کو سفر کرتے ہوئے اور دن کو آرام کرتے ہوئے وہ ناصرۃ پہنچے۔ اور تبریاس کی

جھیل کو گئے (یوحنا ۱:۲۱)۔ ناصرۃ سے دمشق جانے والے قافلوں کی شاہراہ گزرتی تھی۔ وہ وہاں اِس لئے بھی گئے تا کہ اِس شہر میں مختلف قومیتوں کے لوگ رہتے تھے۔ اور مختلف افراد سے اُن لوگوں کو بیرون دُنیا کے خیالات اور ارادوں سے آگاہی حاصل ہوتی رہتی تھی۔ (ٹاون سینڈ میکمن: سرزمین مقدس کا جغرافیہ اور تاریخ، جلد ۲ ص ۸۱)

یہاں اُنہیں یروشلم میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں تشدد کی خبروں کا ضرور علم ہوا ہو گا۔ جس طرح دمشق میں اُن کی موجودگی کی خبر یروشلم میں یہودیوں کو بھی پہنچی تھی اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ پولوس نے دمشق کے ہیکل کے سربراہ کے نام ایک اجازت نامہ بھی حاصل کیا تھا تا کہ اِس مسلک کے مردوں اور عورتوں کو باندھ کر یروشلم لایا جائے۔ (اعمال ۹:۲)

اس سفر کے دوران وہ جگہ جہاں کچھ عرصہ کیلئے حضرت عیسیٰؑ نے قیام کیا وہ دمشق سے دو میل دُور تھی۔ اُس زمانے سے اب تک یہ جگہ ''مقام عیسیٰ'' کے نام سے موسوم ہے۔ حالانکہ اِس کا اصل نام ربوہ تھا۔ وہ دمشق میں غالباً زیادہ عرصہ قیام پذیر رہے تھے کہ اینیاس اور دوسرے اُن کے شاگرد ہو گئے۔ (اعمال ۹:۲۵)۔ وہاں اُنہیں پولوس کے آنے کی خبر بھی ہوئی اور وہ علیجاہ نبی کی طرح باہر جا کر اپنے دشمن سے نبرد آزما ہونے کی تیاری کرنے لگے (اعمال ۹:۳)۔ اُنہوں نے اس سے ذاتی طور پر گفتگو کی اور روحانی قوت سے مخالف کے دل کو جیت لیا۔ حضرت عیسیٰؑ وہاں تین مزید دنوں کیلئے ٹھہر گئے۔ (اعمال ۹:۹،۱۰)۔ اِسی دوران حنّیاہ کے ذریعے جو نصیبین کے حکمران کا محرر تھا حضرت عیسیٰؑ کو خط ملا کہ بادشاہ ایک بیماری کا شکار ہوا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ نصیبین آ کر اُس کا علاج کریں۔ حضرت عیسیٰؑ نے جواب میں لکھا کہ وہ ایک شاگرد کو بھیج رہے ہیں۔ اور خود بعد میں آ جائیں گے۔ یہوداہ تھامس اُن کے ساتھ تھا اور ان کی طرف سے خطوط وغیرہ لکھتا تھا (اینٹی نائسین عیسائی لائبریری، جلد ۲۰)۔ حضرت عیسیٰؑ کو یہ علم بھی تھا کہ گمشدہ قبائل کے کچھ افراد نصیبین میں رہ رہے تھے۔ جوسیفس بھی اس واقعہ کا ذکر کرتا ہے (جوزیفس: قدیم رسم و رواج، جلد ۱۸:۹:۱-۸)۔ اس موقع پر یروشلم سے ایک حکم

نامہ دمشق میں موصول ہوا کہ پولوس کو گرفتار کیا جائے (اعمال ۹:۲۳-۲۵)۔ اِس پر حضرت عیسیٰؑ نے دمشق میں قیام کرنا غیر محفوظ سمجھا۔ اِس واقعہ کا ذکر پروفیسر جوہنس وائس نے بھی کیا ہے۔ اِس پر وہ خود نصیبین کو چلے گئے۔ (پولوس یا یسوع، ص۳۱)

سوائے ایکٹا تھومے کے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بارے میں کوئی تذکرہ کسی مغربی تحریر میں نہیں ملتا۔ کہ وہ نصیبین سے آگے پھر کہاں گئے۔ اِس لئے مشرقی ممالک سے متعلق مصنّفین کی تحریروں کی جانب رجوع کرنا ضروری دکھائی دیتا ہے۔

میر محمد بن خوند شاہ بن محمد نے اپنی مشہور کتاب ''روضۃ الصفاء فی سیرۃ الانبیاء و الاولیاء والملوک و الخلفاء'' (یعنی پاکیزگی کا خیابان بابت سوانح حیات انبیاء، بادشاہوں، اولیاء و خلفاء) سات جلدوں میں ۱۴۱۷ء (۸۳۶ھ) میں قلمبند کی۔ اِس کتاب کو بمبئی سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۲ء) میں شائع کیا گیا۔ مصنف حضرت عیسیٰؑ کے سفرناموں کو دو عنوانوں کے تحت بیان کرتا ہے۔ پہلا عنوان ''حضرت عیسیٰؑ کی یروشلم سے ہجرت'' اور دوسرا عنوان ''حضرت عیسیٰؑ کا نصیبین کا سفر'' ہے۔ پہلے عنوان کے تحت مصنف لکھتا ہے:

> ''چونکہ یہودیوں نے اِس نبی کی تکذیب کی کوشش کی اور اُسے اپنے شہر سے نکال دیا اس لئے یسوع اور مریم شام کو عازم سفر ہوئے'' (جلد۱ ص۱۳۴)۔

مصنف عصائے عیسیٰ کا ذکر بھی کرتا ہے (ایضاً ص۱۳۵) جو سفر میں حضرت عیسیٰؑ کے پاس ہوتا تھا۔ اور یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ عالم سفر کے دوران میں زمین پر سوتے تھے اور اپنے سر کے نیچے پتھر کا تکیہ رکھتے تھے۔ (ایضاً ص ص۱۳۵، ۱۳۶)

دوسرے عنوان کے تحت مصنف لکھتا ہے:

> ''حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں نصیبین کا حکمران بہت مغرور اور ظالم تھا۔ وہ اُس کی رشد و ہدایت کیلئے نصیبین کے نواح میں پہنچے اُنہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ 'تم میں وہ کون ہے جو شہر میں جاکر منادی کرے گا کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کا بندہ اور اُس کا نبی شہر کے باہر ہے۔' ساتھیوں میں

سے ایک جس کا نام یعقوب تھا اُس نے اسکی حامی بھر لی ...... حضرت عیسیٰؑ نے اُس کی ہمراہی میں تھامس کو بھیجا اور اُن کو روانہ کرتے ہوئے خبردار کیا کہ شہر میں اُس کے دشمن بھی ہیں۔ دونوں شہر میں گئے اور منادی کی۔ لیکن لوگوں نے اُن کو بُرا بھلا کہا اور اُن کی بُرائی کی۔ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کے بارے میں گری ہوئی باتیں کیں۔ بالآخر اُن کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا ...... جس نے اُن کے ہاتھ اور پاؤں قلم کروا دیئے......

اُس کے ایک وزیر کا نام شمعون تھا اُس نے مشورہ دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو شہر میں آنے دیا جائے۔ اور اُنہیں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کا موقع دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ کھلم کھلا ایک جادوگر ہے۔ اور وہ یقیناً اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکے گا ...... حضرت عیسیٰؑ شہر میں آئے ...... شمعون نے حضرت عیسیٰؑ کو سب سے پہلے اپنے ہی دونوں شاگردوں کی صحت یابی کیلئے کہا۔ حضرت عیسیٰؑ نے دونوں شاگردوں کے کٹے ہوئے ہاتھ اور پاؤں جہاں سے قلم کئے گئے تھے اُن کے اوپر سے ہاتھ پھیرا اور کہا ''خدا کے حکم سے'' اور وہ ثابت و سالم ہو گئے۔'' (ایضاً جلد ۱ ص ص ۱۳۲،۱۳۴)

''جامع التواریخ'' مصنفہ فقیر محمد کا بیان ہے کہ اپنی مسافرت کے دوران حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ تھیں۔ اور سفر کے دوران حضرت عیسیٰؑ سوتی پوشاک اور ململ کی پگڑی باندھتے اور ایک عصا اُن کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اور وہ پا پیادہ سفر کرتے تھے۔

مصنف مزید بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نصیبین کے حکمران کے پاس گئے اور وہاں مُنادی کی۔ وہاں سے چل کر مشاق کے علاقے میں پہنچے جہاں نبی حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی قبر ہے (جلد ۲، ص ۸۱)۔ ''ناسخ التواریخ'' میں بھی اسی طرز کے واقعات جو اس دورانِ سفر پیش آئے تھے، کا ذکر ہے (جلد ۱ ص ۲۸) ''جامع التواریخ'' کا مصنف

حضرت عیسیٰؑ کے نصیبین سے آگے سفر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بتاتا اور نہ ہی ''روضۃ الصفا'' میں ایسا کوئی ذکر ہے۔ صرف اتنا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خاموشی کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے (روضۃ الصفا جلد اول ص ۱۴۹)۔ تاہم اُن کی نصیبین سے فوری روانگی کا ذکر ابنِ جریر نے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''کہ نصیبین کا حکمران بہت مکار شخص تھا ...... لوگ یسوع کو قتل کرنے پر تُل گئے اور وہ نصیبین سے جان بچا کر بھاگ گئے۔'' (تفسیر ابن جریر الطبری، جلد ۳ ص ۱۹۷)

ہمارے مقصد کیلئے یہ جاننا مناسب ہے کہ یہ سمجھ لیں کہ نصیبین کا محل وقوع کا علاقہ کونسا ہے جس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اِس زمانے میں نصیبین نام کے تین الگ الگ شہر تھے۔ ایک شہر موصل اور ملک شام کے درمیان میں تھا۔ دوسرا شہر دریائے فرات کے کنارے اور تیسرا حلب (شام) کے قریب آباد تھا۔ مجمع البلدان (مطبوعہ ۶۲۶ھ/ ۱۲۰۷ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شہر تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو شام (دمشق) سے موصل اور اس سے بھی آگے اور چھ ایام کے فاصلہ پر تھا۔ یہ ایک اہم حکمران کا شہر تھا۔ یہ نصیبین کے حکمران کا شہر ہی تھا، جس کا ذکر ہو چکا ہے (شیخ الاسلام شہاب الدین البغدادی: مجمع البلدانؒ جلد ۸ ص ۲۰۰، ۱۳۲۴ھ، قاہرہ)۔ اڈیسہ (عُرفہ) اِس مقام سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ اور عُرفہ سے ایپو چار یوم کا سفر ہے۔ اور ایپو اُس تجارتی شاہراہ پر واقع ہے جو بحر ہند اور بحر روم کے مابین گزرتی ہے۔ (ڈیوڈ فریزر: ہندوستان جانے کا قریبی راستہ، ص ۱۲۱)

عین العروس سے الیپو صرف چار گھنٹوں کا سفر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ان تمام جگہوں میں گئے اور پھر الیپو پہنچے۔ جہاں سے وہ آگے روانہ ہوئے۔ عین العروس میں حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کا مقبرہ ہے جہاں ہِٹی قبائل کے باقیات ملتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس سفر کے دوران حضرت عیسیٰؑ نے سام کے مقبرے کی زیارت بھی کی تھی۔ (فقیر محمد: جامعۃ التواریخ، جلد ۲، ص ۸۱)

چونکہ نصیبین کے لوگ حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کے در پے تھے اور وہ چند دنوں میں زیادہ دُور نہیں نکل سکتے تھے اس لئے حضرت عیسیٰؑ نے بھیس بدل لیا اور فرضی نام یوز آصف اختیار کر کے اُن علاقوں سے گزرتے گئے۔ اُس زمانے کی کتابیں اور روایات ان ملکوں کا ذکر جن میں حضرت عیسیٰؑ گئے یا گزرے اسی فرضی نام کا تذکرہ کرتی ہیں۔ یوز سے مراد حضرت عیسیٰؑ تھا اور آصف عبرانی میں جمع کرنے والے کو کہتے ہیں۔

فرہنگ جہانگیری (ص ۱۰۸) اور ''انجمن آرائے ناصری'' (جلد۲۴: کالم ۱) میں کہا گیا ہے کہ آسف عجمی بزرگوں میں سے کسی ایک شخص کا نام تھا۔ اسی طرح ''غیاث اللغات'' (جلد۱:۱۱) اور ''برہان قاطع'' (ص۳۴ کالم۲) میں آصف کسی شخص برخیاہ کے بیٹے کا نام تھا جو بنی اسرائیل کا ایک اہلِ علم تھا۔ ''فرہنگ انند راج'' (محمد بادشاہ: جلد ۸ ص۴۸۷ کالم ۳) میں لفظ یُوز کی وضاحت کی گئی ہے کہ اِس کا مطلب جمع کرنے والا ہے۔ یُوز سے مراد قائد یا متلاشی بھی ہے۔ یوز اور آصف دونوں عبرانی الفاظ ہیں۔ تاہم کسی نے یوز آصف کی معقول وضاحت نہیں کی کہ اِن کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے۔ ''فرہنگ آصفیہ'' (جلد ۱، ص۹۱) نے البتہ آصف کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

> ''حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں جب اپاہج اُن سے شفا پاتے تھے اور ان کو صحت یاب لوگوں میں شامل کر لیا جاتا تھا جن میں بیماری کے کوئی آثار باقی نہ رہتے تو اُن کو آصف کہا جاتا تھا۔''

دوسرے الفاظ میں آصف کا لفظ اُن پر استعمال ہوتا تھا جنہیں حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ سے شفا ہوئی ہوتی۔ پس یوز آصف کا مفہوم یہ تھا کہ تلاش کرنے والا یا حضرت عیسیٰؑ سے شفا پانے والے لوگوں کا سردار اور ایسا شخص حضرت عیسیٰؑ کے سوا کون ہوسکتا تھا۔ دربار اکبری کے مشہور شاعر فیضی حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اے کہ نام تو یوز و کرستو'' یعنی اے وہ جس کا نام یوز اور حضرت مسیحؑ ہے۔ اِس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ایران میں سنا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یوز آصف اِس طرف مغرب سے آتے ہوئے گزرے۔ اُنہوں نے یہاں تبلیغ کی۔ بہت لوگ اُن کے پیرو

ہوئے۔ یوز آصف کے اقوال بھی حضرت عیسیٰؑ سے مشابہ ہیں۔ (آغا مصطفائی: احوال اہالیان فارس، ص۲۱۹)

ایک شہر کے دروازے پر (جس کی حتمی پہچان نہیں ہوسکی) مگر مقامی روایت اُسے کاشان کہہ کر پکارتی ہے۔ یوز آصف کا ایک قول تحریر ہے۔ وہ قول یوں ہے:

''بادشاہوں کے محلات تین نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ دانائی، صبر اور روحانی دولت۔'' (ارسطو: یوز آصف کے بارے میں، المعارف، جلد ۳۴ شمارہ ا، ص ۳۷، ۱۹۳۴ء)

اِس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو افغانستان میں دیکھا جاتا ہے۔ غزنی جو مغربی افغانستان میں ہے اور جلال آباد میں (جو جنوب مشرق میں ہے) ۔ وہاں دو چبوترے ہیں جن پر یُوز آسف لکھا ہے۔ کہ یوز آسف اُن پر بیٹھتے تھے اور تعلیم دیتے تھے۔ افغانستان کے ایک امیر نے اس زیارت گاہ کیلئے ایک محافظ بھی مقرر کررکھا تھا۔ تاکہ اسکی حفاظت کرتا رہے۔ اُس نے زیارت گاہ کی مرمت وغیرہ کیلئے وظیفہ بھی مقرر کر رکھا تھا۔

یہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور تھامس گو الگ الگ راستوں سے ٹیکسلا میں یکجا ہوئے تھے جب ٹیکسلا پر راجہ گوندا فیریس حکومت کرتا تھا۔ اور اُس کا زمانہ ۶۰ء تھا۔ یہاں ایکٹا تھومے کے ایک اقتباس کو دوبارہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے حضرت عیسیٰؑ کی وہاں موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ تھامس نے وہاں گوندا فیریس کے بھائی گادھ کے ایک بیٹے کی شادی میں شرکت کی تھی۔ اس سلسلہ میں لکھا ہے:

''کہ جب تھامس شادی کی رسموں سے فارغ ہو کر محل سے واپس ہوا۔ دولہا نے دلہن کے کمرے کا پردہ اُٹھایا اور دیکھا کہ تھامس دلہن سے باتیں کررہا ہے۔ حیران ہو کر دولہا نے پوچھا تم یہاں کیسے وارد ہوئے ہو؟ کیا میں نے تمہیں اپنے سامنے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا؟ اِس پر خداوند نے جواب دیا 'میں جودا تھامس نہیں ہوں بلکہ اُس کا بھائی ہوں۔'' (ایکٹا تھومے: اینٹی نائی سین عیسائی لائبریری، جلد ۲۰، ص ۴۶)

اور سر وی، اے سمتھ: ہندوستان کی اوائل کی تاریخ، ص۲۱۹)

ٹیکسلا سے مری کا راستہ ان دنوں ۴۵ میل کی مسافت پر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ، تھامس اور اپنی ماں کے ساتھ مری کی طرف عازم سفر ہوئے۔ اس بارے میں تفصیلی بیان پہلے ہو چکا ہے۔ مری میں حضرت مریم کی وفات ہوئی اور اُس پہاڑی مقام پر دفن کی گئیں جسے آج کل پنڈی پوائنٹ کہتے ہیں۔ جہاں سے راولپنڈی محض ۶ میل کا سفر ہے۔ ۱۸۷۵ء تک مری کو حضرت مریم کی وجہ سے ماری کہا جاتا تھا اور ڈیفنس ٹاور کے پاس ہی اُن کی قبر تھی۔ اُسے آج بھی لوگ مائی ماری دا استھان کہہ کر پکارتے ہیں۔ یعنی ماں ماری کی آرام گاہ۔ (ایضاً ص۳۵۳)

اب ہم کافی حد تک یقین سے حضرت عیسیٰؑ کے کشمیر میں داخل ہونے کے سفر کا سراغ لگا سکتے ہیں کہ وہ سفر کرتے ہوئے وادی میں کس طرح داخل ہوئے جس کو اسی وجہ سے یسو مرگ کہتے ہیں۔ جہاں یادو (یہودی) نسل کے لوگ ابھی بھی موجود ہیں (سر والٹر لارنس: وادی کشمیر، ص۱۹)۔ اس راستہ پر گھوڑوں کے ذریعہ سفر کیا جاتا تھا جس تک سوداگر پا پیادہ کاغان اور افغانستان سے آتے تھے۔ وادی کاغان ایک جانب کشمیر کو چھوتی ہے اور دوسری جانب مری کی پہاڑیوں کو چھوتی ہے۔ عیش مقام جو سری نگر سے تقریباً ۴۷ میل کے فاصلہ پر ہے، یسوع مرگ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ حقیقت میں عیش مقام بھی اُسی راہ پر ہے۔ عیش یا اشوش عیسیٰ ہی کی بگڑی ہوئی لسانی صورت ہے۔ ''نورنامہ'' (لوگ گیت جو اس علاقے میں معروف ہیں) میں ہے کہ ایک شہزادہ اس طرف سے گزرا اور اس مقام پر کچھ عرصے کیلئے ٹھہرا اور اسکا نام اُسی شہزادے کے ٹھہرنے کی مناسبت سے رکھا گیا (ملّا ہدایت اللہ متو: رشی نامہ حاشیہ ۶۹۲۔ ۱۱۷۶ھ)۔ نورنامہ میں ہی ایک 'دیو' کی موت کا ذکر بھی ہے جو اسی مقام پر مارا گیا تھا۔ اور اِس واقعے کا عنوان یوں دیا گیا ہے:

''داستان کشتہ شدن دیو از دستِ بروہن کہ در زمانِ عیسیٰ پہلوان بُود۔''

(ایضاً حاشیہ ۱۰)

(یعنی دیو کی ہلاکت کا قصہ جسے بروہن نے جو حضرت عیسیٰؑ کے عہد کا پہلوان تھا موت کے گھاٹ اُتارا۔)

کسی بھی ملک کی تاریخ کے قصص میں یا تو ہمعصر بادشاہوں کا ذکر آتا ہے یا کسی اہم واقعہ یا قدیم عظیم الشان ہستیوں کا ذکر ہوتا ہے جو اس وقت وہاں ہوں۔ مصنف بھی حضرت عیسیٰؑ کا ذکر نہ کرتا اگر کشمیر میں وہ نہ ہوتے۔

تاہم اور بھی اہم حقائق ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ واقعی کشمیر میں وارد ہوئے تھے۔ ایسے ناموں کا ذکر درج ذیل ہے جو کشمیر کی تاریخ اور جغرافیے میں آئے ہیں۔

عیش مقام	جعیش عیسیٰ واڑا	یسوع میدان
آریا عیسیٰ	کال عیسیٰ	یسوع مرگ
عیسیٰ متی	رام عیسیٰ	یسوع
عیسیٰ تا	یسوع گام	یسوع ہت پورہ
عیسیٰ کُش	یسوع منگلا	یسوع دھڑا
عیسیٰ براری	یسوع راجا	یسوع دھا
عیسیٰ اِیل	یسوع درمان	......
جعیس عیسیٰ	یسوع کُن	......

حال ہی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُس کا نام بودھ آصف تھا یوزآصف نہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سرینگر میں جو قبر ہے دراصل ایک بودھ سٹوپا ہے جس میں بودھ پائک راجہ کنشک کے حکم سے دفنائے گئے تھے۔ جو چوتھی کونسل کے دوران مرے تھے۔ شاید تعلیمات میں مماثلت کی نسبت سے ایسا خیال گزرا ہو کہ یہ مقبرہ اس نام کے کسی بدھ راہب کا ہے۔

راہبوں کی چوتھی کونسل سے متعلق پیتل کے کتبوں سے جن پر تحریر بھی تھی جو پٹن کے مقام پر دفن کی گئی تھیں (جسکا پرانا نام زالدراگر تھا) یہ جگہ سرینگر سے چالیس میل

دور مشرق میں تھا۔ اِن باقیات کو زمین کے اندر سے کھود کر مسٹر گارک نے نکالا تھا۔ گارک نے محکمہ آثار قدیمہ، حکومت ہند کی طرف سے یہ کارگزاری سرانجام دی تھی (سر والٹر لارنس: وادیٔ کشمیر، ص۱۶۲)۔ علاوہ ازیں بودھ اپنے مردوں کو دفناتے نہیں بلکہ اُن کو جلاتے ہیں۔ اِس سے بخوبی اس حالیہ خیال کی تردید ہوتی ہے کہ یوزآصف حضرت عیسیٰؑ نہ تھے۔

کشمیر میں حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی کا سب سے بہترین ثبوت حضرت عیسیٰؑ کا مقبرہ ہے جو محلّہ خانیار سرینگر میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔